



اصیل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن  
پس حدیث مشطوفہ بر جان تم داشتن



# انکار حدیث کے نتائج

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجید



مکتبہ تصنیف دہلی

نزدائیسہ نصرة العلوم

گھنٹہ گھر گوہر انوار

پاکستان

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (قرآن مجید)  
 انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (صحیح بخاری)

اصل دین آدم کلام اللہ معظم داشتن  
 پس حدیث منقسطہ بر بقیہ کتب داشتن



# انکار حدیث کے نتائج

## جس میں

بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے منکر یہ حدیث کی مختلف جگہوں اور مقاموں سے  
 خود ان کی اپنی عبادات اور تحریرات کے آئینہ میں حق کے حقائق و اعمال اور  
 انکار و نظریات کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ حق کا  
 دعویٰ تو صرف حدیث کے انکار کا ہے لیکن اصول دین کی کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہ  
 جاتی جس کا انکار ان کے کسی زکسی طبقے نے نہ کیا ہو۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 وسلم کے ائمہ و حضرات کی جامعیت پر قدرے مفصل بحث کی گئی ہے۔ نیز دیگر  
 اہم گوشوں کو بھی واضح کیا گیا ہے اور محققین حدیث کے باطل خیالات کا خوب  
 جائزہ لیا گیا ہے۔ واللہ یعلم الحق وهو یهدی السبیل

## مؤلف نے

بلا الزام محمد فخر الرحمن صاحب خان صاحب جامعہ گجرات مدرسہ مسعودیہ العلوم، گوہر النوالہ۔

﴿جملہ حقوق بحق مکتبہ صفوریہ گوجرانوالہ محفوظ ہیں﴾

طبع ششم اگست ۲۰۰۲ء

نام کتاب ..... انکار حدیث کے نتائج

مؤلف ..... شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوزہد محمد سر فراز خان صفوریہ مدظلہ

تعداد ..... ایک ہزار (۱۰۰۰)

مطبع ..... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

ناشر ..... مکتبہ صفوریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

قیمت ..... پچیس روپے (۵۵/-)

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ صفوریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان

☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار ☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار اولپنڈی ☆ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد

☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد ☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد

☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نور و میٹگورہ ☆ دارالکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لی مروت ☆ مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ فاروقی حفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ لکھنؤ

# فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹	{ عذاب قبر اور سوال منکر و نکیر من گھڑت اور غلط ہے -	۷	سبب تالیف
۴۰	ایصال ثواب باطل ہے -	۱۰	نازک ترین دور
۴۰	نماز تراویح پڑھنا فضیلت ہے -	۱۳	فطرت اللہ
۴۰	حضور کے خیالات میں اتنا -	۱۶	فطرت صحیحہ تک رسائی کا طریقہ
۴۰	{ شیطانی ہوتا تھا (معاذ اللہ) اللہ اکبر مگر کاذب ہے	۲۰	اسوہ حسنہ کی جامعیت
۴۱	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبیوں کا سرور کیا قرآن کے خلاف ہے -	۲۹	فقہ انکار حدیث
۴۲	آحد ازواجِ زنا ہے۔ (عیاذ باللہ)	۲۲	دور حاضر کے منہ زین حدیث (۱) عبد اللہ چکڑا لوی
۴۳	معراج صرف خواب کا واقعہ ہے	۳۲	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل اہل حدیث تھے -
۴۳	معجزات عیسوی سے مراد؟	۳۴	حدیث کو ماننا شرک فی الحکم ہے
۴۵	{ نار ابراہیمؑ، تسبیح جبال اور طیر اور اضواء بصریہ انجھڑ سے مراد؟	۳۶	قرآن کے سوا کسی اور چیز سے دین اسلام میں حکم کو نہ کھڑے
۴۶	(۲) حافظ آلم جناب حیران چوہری	۳۷	انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام اور ملا اعلیٰ کی دوستی قیامت کو بیکار ہوگی۔
۴۶	حدیث پر ہمارا ایمان نہیں	۳۸	شفاعت کا عقیدہ کھنڈاؤں کے بغیر کیا ہے (معاذ اللہ)
۴۸	لہو الحدیث کی تشریح -	۳۹	{ رسول اللہ کو مدیہ المرسلین کہنا خرافات ہے (عیاذ باللہ)

صفحہ	مضمون	صفحہ
۸۹	۱۹۹ { عالم کو شہر تسلط اور بددین و غیر مذہبی	سراج جہنم
۹۰	۱۹۹ { میں نے یہ لکھا ہے نہ جنت علی اللہ علیہ وسلم	سنة المستحق
۹۱	۱۹۹ { مسلم کے ہم مرتبہ ہیں (معاذ اللہ)	مہجرت
۹۱	۱۹۹ { ایمان بالاسلام نجات کے لیے	طاعت کا منہم
۹۲	۱۹۹ { ضروری نہیں ہے - اور	بیت نمبر
۹۲	۱۹۹ { تہ ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم	نکاح نامہ
۹۲	۱۹۹ { عیسائی اور یہودی بھی خدا اور	دعا پڑھنا صاحب خیر خیر
۹۲	۱۹۹ { رسول کے صحیح پیروکار ہیں	بہارِ نبوی
۹۵	۱۹۹ { گناہگاروں کے لیے شفاعت نہ ہوگی	مہجرت کا حق
۹۶	۱۹۹ { محکمے نزع کیوں ہے؟	قرآن خدا کا کلام نہیں ہے -
۸۸	۱۹۹ { (۵) ڈاکٹر احمد دینی صاحب	توبہ و عتاب جنت و جہنم
۸۸	۱۹۹ { عمل یا حدیث شرک ہے	آخرت و غیرہ کوئی شے نہیں ہے -
۹۰	۱۹۹ { صحابہ سیدہ کے حنفیوں یہودی	نہ مذہب کی حقیقت؟
۹۱	۱۹۹ { اور نعمتی تھے (الحیاء باللہ)	اب خدا کی خدائی صرف کافر
۹۱	۱۹۹ { جن بتوں پر قرآن کریم لکھی ہو اٹھ	اور نعمتی قوم کو کہتے ہیں
۹۵	۱۹۹ { ان کو بیکری کہا گئی تھی	نہ مذہب کی حقیقت؟
۹۶	۱۹۹ { گناہگاروں کی دیگر کلام؟	وہی ہے جو کہ حق صاحب برحق
۹۶	۱۹۹ { (۶) عذر مشرقی صاحب	احادیث کے ساتھ جو مضمون ہیں
۹۶	۱۹۹ { حدیث اور شرفی صاحب	خبروں کے بلوں کی پرورش
۹۸	۱۹۹ { ایک ملک یہ ثابت نہیں ہو سکا	گرمی میں صاف کلام

۸۹	۱۹۹ { کئی مذہب پکاب ہے؟	۱۹۹ { کئی مذہب پکاب ہے؟
۹۰	۱۹۹ { مومن در حقیقت اہل مغرب ہی ہیں	۱۹۹ { مومن در حقیقت اہل مغرب ہی ہیں
۹۱	۱۹۹ { اہل توحید مشرک ہیں اور ان کی	۱۹۹ { اہل توحید مشرک ہیں اور ان کی
۹۱	۱۹۹ { کبھی بخشش نہ ہوگی -	۱۹۹ { کبھی بخشش نہ ہوگی -
۹۱	۱۹۹ { جملہ کافر کو فتنہ جہنمی ہیں	۱۹۹ { جملہ کافر کو فتنہ جہنمی ہیں
۹۱	۱۹۹ { معجزات اہل کرم کے متعلق	۱۹۹ { معجزات اہل کرم کے متعلق
۹۱	۱۹۹ { متفرقت	۱۹۹ { متفرقت
۹۱	۱۹۹ { بیٹ کی حسن طر قرائن کی تکذیب	۱۹۹ { بیٹ کی حسن طر قرائن کی تکذیب
۹۱	۱۹۹ { کرتے ہیں	۱۹۹ { کرتے ہیں
۹۱	۱۹۹ { (۷) علامہ دی غلام احمد صاحب پوری	۱۹۹ { (۷) علامہ دی غلام احمد صاحب پوری
۹۱	۱۹۹ { احادیث	۱۹۹ { احادیث
۹۱	۱۹۹ { ظنی چیزیں نہیں ہر سچی	۱۹۹ { ظنی چیزیں نہیں ہر سچی
۹۱	۱۹۹ { مرکز ملت کا مقام کیا ہوگا؟	۱۹۹ { مرکز ملت کا مقام کیا ہوگا؟
۹۱	۱۹۹ { مرکز ملت مقنن بلکہ شارع ہوگا -	۱۹۹ { مرکز ملت مقنن بلکہ شارع ہوگا -
۹۱	۱۹۹ { پرویز صاحب کی فقاے	۱۹۹ { پرویز صاحب کی فقاے
۹۱	۱۹۹ { مخالفت کمال ہے؟	۱۹۹ { مخالفت کمال ہے؟
۹۱	۱۹۹ { زکوٰۃ	۱۹۹ { زکوٰۃ
۹۱	۱۹۹ { حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طہارت؟	۱۹۹ { حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طہارت؟
۹۱	۱۹۹ { حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات؟	۱۹۹ { حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات؟
۹۱	۱۹۹ { سراج شریف	۱۹۹ { سراج شریف
۹۱	۱۹۹ { رحمتی معجزات -	۱۹۹ { رحمتی معجزات -



# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَكَفَى وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ أَرْسَلَهُ هُدًى  
وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَعَلَى مَنْ اتَّبَعَهُ وَأُطْلِعَهُ مِنَ الْبَحْرِ الدِّينِ  
الَّذِينَ هُمْ مَصَابِيحُ الدُّجَى -  
أَمَّا بَعْدُ !

ہر چیز کا اس جہان میں کوئی نہ کوئی محرک اور سبب داعی ضرور ہوتا ہے جب تک اسباب و  
دواعی اور محرکات ظہور پذیر نہ ہوں کسی چیز کا وجود میں آنا متصور نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک محضر ہے جس  
کے گرد تمام افعال گھومتے ہیں۔

## سببِ تالیف

اس ناچیز تالیف کا سبب یہ ہے کہ کافی عرصہ سے منکرینِ حدیث کی طرف سے حدیث  
کو ناقابلِ اعتبار قرار دینے کے لیے نئے نئے ٹوٹے پھوٹے جاتے ہیں۔ کبھی یہ کہ حدیث ظنی چیز  
ہے، اور ظنی چیز دین نہیں ہو سکتی۔ کبھی یہ کہ آپ نے کوئی مستند مجموعہ کلام کراہت کے حوالے  
نہیں کیا۔ اگر حدیث جھوٹ ہوتی تو آپ منع کیوں کرتے؟ کبھی یہ کہ صحابہ کرام اور خصوصیت سے  
حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ حدیثوں کے اشد مخالف تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے تحدیثوں کے مجموعے  
ہی جلا ڈالے تھے۔ اور حدیث بیان کرنے والوں پر کڑی نگرانی اور سخت پابندی عائد کر دی تھی۔ کبھی  
یہ کہ خلافت راشدہ کی طرف سے حدیث کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ کبھی یہ کہ حدیث  
دواڑ خالی سو سال کے بعد تدوین کی گئی ہے، لہذا اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ کبھی یہ کہ  
محتاج رشتہ وغیرہ کتب حدیث کے بیشتر مصنفین عجمی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ یہ خدمتِ عربی ادا نہ

کرے؛ لہذا یہ بھی سادہ مش کا تجربہ ہے کہ کسی پر کہ احادیث قرآن اور عقل کے نفوذ میں۔ لہذا یہ ناقابل اعتقاد بھی۔ کسی ایک احادیث کو تسلیم کر لینے کے بعد ہی اہانت کے اتفاق کا بیشتر ازہ بخیر گیا ہے۔ اس لیے حدیث سے تو قویہ ہی ملتی تھی یہ یاد کر لیا جاتا ہے کہ حدیث ہمارے جیسے ہوئے تصانیف کو تو انہیں کرتی اور حالت قرآنی زاویہ نگاہ اور بصیرت قرآنی پر کڑی پابندی ملتی ہے۔ اس لیے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ کسی پر کہ چونکہ مَا أَفْزَلَ اللّٰہُ کے نفوذ ہے، اس لیے اس کو تسلیم کرنے سے انہیں کافر، ظالم اور فاسق وغیرہ ہو جاتا ہے۔ (الہیہ نقاشہ) وغیرہ من المخرجات۔

اس کے مختلف بیورو اور فرقہ و نظریات کو دیکھ کر انوسر بھی ہوتا ہے اور حیرت بھی کہ انہوں نے حدیث کے انکار کے لیے بدستوری دلیل پیش کی ہیں جو کسی وقت عیسائی اور اسی طرح باطل صاحب غریب فرقہ پیش کر چکے ہیں شرب تودی پڑانی ہے بدستوریوں کی رنگت بالکل نئی ہے۔ ہم نے ان کے باطل نظریات کے رد میں ایک کتب ترتیب دی ہے جس کا نام شرق حدیث تجویز کیا گیا ہے۔ پھر خیال ہو کہ اس کا مقدمہ بھی لکھا جاوے جس میں مشہور حدیث کے بطور نمونہ کچھ باطل حدیث منقول ہیں اور ان کی ضیافت طبع کے لیے پیش کر رہے ہیں تاکہ ان کو بھی بخوبی معلوم ہو جائے کہ مستحکم حدیث چاہئے کیا ہیں؟ نیز یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ جنوں نے غم اور بیانیوں، قتل مرتد، عیسائیت کی وراثت وغیرہ کے مسئلہ کو غلط کے ذاتی مسائل قرار دیکر عام مسلمانوں کو اس طریقے سے قتل و غریب مذہب غلیاں کو کہ بتانے کی کوشش کی ہے وہ اپنی تحریکات کے یزید میں بدستوری دیکھ سکیں۔ یہ مسئلہ تو قویہ کے ہیں جنہیں ملک یمن کا نوازہ جبریل خود تو قرآن کریم کا سب سے اول مرتد کا حکم احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور عیسائیت کی وراثت کا مسئلہ جو اہانت سے ثابت ہے جس میں اول اسلم صاحب جبریل پوری آج تک کسی کا کوئی حجت ہی نہیں ہوا۔ محض ان کے رد میں انشاء اللہ ایک رسالہ لکھ جائے گا یہاں اس کی تہذیب تصود نہیں ہے، لہذا خیال ہو کہ اگرچہ جلتے ہیں کے چند افکار و نظریات۔

بھی پیش کر دیتے جائیں۔ جب ان کی کتابوں سے اقتباسات لیے گئے تو بہت زیادہ ہو گئے پھر ان میں بعض کو غلط اقتصاد حذف بھی کر دیا گیا۔ معہذا کتب کا مجموعہ بھی کافی ہو گیا اس مجبوری کے تحت اس کو عینہ مشاع کیا جا رہا ہے۔ اور اس وجہ سے اس کا نام بھی الگ ہی تجویز کیا گیا ہے تاکہ شوق حدیث کا مضمون الگ الگ مستقل ہے اور ان لوگوں کے پیش کردہ خرافات جدا نہیں ہوں۔ تاکہ محدثین کرام کے نیک اور پارہ راگروہ کے تذکرہ میں منکرین حدیث اور ان کے خیالات فاسد کا ذکر ہی نہ آئے۔ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَيْنِ حَاجِزًا۔ چونکہ کتب پیش نظر کا بیشتر حصہ تقریباً ایک ہفتہ (ایام عید کی تعطیلات) میں لکھا گیا ہے اور عید الفرمیت ہونے کی وجہ سے پوری طرح نظر ثانی بھی نہیں کی جا سکی۔ اس لیے قارئین کرام اغلاط سے مطلع فرما کر مشغور ہوں تاکہ طبع آمد میں کتاب کی جا سکے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محدثین کرام کے نیک کردہ میں عین شامل کرے اور قارئینوں کے زمرہ سے الگ تھک رکھے۔ آمین۔

ابھی خیر ہو کہ رفتہ آخر نماں آیا  
ہے ایمان دین باقی کو وقت امتحان آیا

احقر

ابوالزہد محمد سرور آزاد خاں صفدر

خلیعت طبع لکھنؤ مدرسہ فقہ و علوم۔ محرم الثانی

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ۔ ۱۰ جنوری ۱۹۷۰ء

## نازک ترین دور

اس وقت دنیا ایک نہایت ہی پُر آشوب دور اور نازک تر حالات سے دوچار ہے۔ انسان انسانیت کا دشمن ہو گیا ہے۔ علم و مہنہ کی ساری قوت ہی آدمیت کو ختم کرنے کے لیے وقت ہو چکی ہے۔ ظلم و جور۔ جبر و تعدی۔ دھوکہ و فریب کا ہر طرف اور ہر سمت بازار گرم ہے۔ ہوائے نفس کی پیروی اور روحانیت سے تشغیر لازمہ زندگی بننا جا رہا ہے۔ محض اپنی تن آسانی اور نفس پروری کے لیے کمزوروں اور ناتواں ضعیفوں اور ناداروں کا خون تک چوسا جا رہا ہے۔ میدان جنگ میں انسان کی عظمت اور شرافت پر ایم۔ ہائیڈروجن بم اور راکٹوں کے ذریعہ آگ کے شعلے برسانے کی وسیع تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ رشک فر دوس ایوانوں اور فلک بوس عمارتوں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دینے کے ڈبل منصوبے ہوئے ہیں۔ ہلاکت اور خوف ریزی کے خونیں مناظر کو عجالت تمام لانے کے لیے ایک دوسرے سے مابقت کی جا رہی ہے۔ باغبانِ ازیلی کے لہلہاتے ہوئے چمن کو اُجاڑنے اور مزار کرنے کے گہرے مشورے ہوئے ہیں۔ ایمان و عمل صلح۔ عدل و انصاف، محنت و عسکت اور مذہب و مسالک کو خس و خاشاک کی طرح بہلہ جلنے کے مضبوط ارادے کئے جا رہے ہیں۔ بین الاقوامی سیاست کی محض اپنے ملکی مفادات، انسانی خواہشات اور ملک گیری کی ہوس میں آئے دن نیتیں بدلتی رہتی ہیں بغیر خشک ہر ملک اور ہر حکومت کے سامنے زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے اور ہر ملک اپنے کو محسوم اور دوسروں کو مجرم گردانتا ہے اس لیے اُن کو تباہ و برباد اور برباد کرنے کے درپے ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر ملک بربادی، ہر قوم تباہی اور بربادت خرابی کے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ مگر باوجود ان غیر محنت ہلاکت آفرینوں اور عالمی پریشانیوں کے خداوند مذہب اور اخلاق و روحانیت کو فراموش کیا جا رہا ہے جچا اس کے کہ دنیا ان تباہیوں اور ناکامیوں سے سبق حاصل کر کے خدا سے واحد اور مذہب

کی بلند اقدار کی طرف جھکتی اور اپنے آپ کو ہلاکتوں اور بربادیوں کے ہولناک سیلاب سے محفوظ رکھتی، وہ دن بدن مذہب و اخلاق سے دور اور روحانیت و فکر آخرت سے متنفر ہوتی جا رہی ہے۔ الحاد و دہریت اور انسانی خواہشات کو پورا پورا موقع مل گیا ہے کہ وہ ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے نوع انسانی کی جسمانی اور روحانی تباہی کا نقشہ جلد سے جلد مرتب کر دیں اور شب و روز اس کوشش و کاوش میں منہمک ہیں تاکہ انسان کے پاس کوئی اسلامی ضابطہ حیات کوئی روحانی دستور مکمل اور کوئی کامل نظام اخلاق جس پر نبوت و رسالت اور خلافت علیٰ منہلج نبوت کی فہر تصدیق ثبت ہو، باقی نہ رہے اور دینِ قیم کی روشن تعلیم میں آئے دن نئے نئے شکوک و شبہات پیدا کر کے مسلمانوں کو ان کے محبوب اور جامع ترین سے متنفر اور بطن کیا جا رہا ہے۔ غیر توغیر خود اسلام کے نام لیا ہوا ہی اخلاق فاضلہ اور اسوۂ حسنہ کو صغیر ہستی سے ناپید کرنے کا ٹھیکہ لے چکے ہیں حتیٰ کہ اب تو آخری دین کی مشہور و معروف اصطلاحات کو بدلا جا رہا ہے اور بعض کے بدلنے کی فکر کی جا رہی ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

ڈرتا ہوں عدم پیر آج کہیں شعلے نہ اٹھیں بجلی نہ گھرے  
بربط کی طبیعت اُلجھی ہے نعمات کی نیت ٹھیک نہیں

وہ بہترین روحانی اور انقلابی دین جس نے عرب کے ناخاندہ بدوؤں کو ارض عالم کے معترین انسانوں کی صورت میں مشکل کر دیا تھا۔ جو ایک فاتح اور حکمران قوم کی حیثیت سے افواج عالم پر نمودار ہوئے تھے۔ قومیں ان کی عظمت اور شوکت سے لرزتی تھیں۔ تاج و تخت کے مالک ان سے ٹھرتے تھے اور ان کے نام ہی سے بڑے بڑے مغرور دماغ ڈھیلے پڑ جاتے تھے۔ ان کو یہ اعلیٰ حالات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکمل ترین اسوۂ حسنہ سے حاصل ہوئے تھے جس کی بدولت وہ دنیا کے بہترین محکم اعلیٰ ترین مدبر و عمدہ ترین افسر و فہم ترین فرمانروا، نفیس ترین معمار اور بزرگ ترین تاجر و مجاہد قرار پائے۔

جن کی مثال پیش کئے سے دنیا قاصر ہے جن کے قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے صحیح جذبہ نے کافروں اور منافقوں، بدکاروں اور سیاہ کاروں کو مختصرے وقت میں خیریت نصبت اور مقدس انسان بنادیا تھا۔ حیف برحیف ہے کہ اسی اسوہ حسنہ میں محض نفس امارہ کی پیروی میں کیڑے نکالے جاتے ہیں اور حدیث و اسوہ حسنہ کا سرے سے انکار کیا جا رہا ہے (العیاذ باللہ)

نوجوان پورا دین سب سے بہرہ طبقہ کو قلم اور ادب برائے الملوک کے سے یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں پر صدیوں جو غفلت اور جمود طاری رہا اور دین و دنیا کی جن غفلتوں اور کامزنیوں سے وہ محروم ہے اور جس فقر مذلت میں گر کر وہ شان و شوکت کھو بیٹھے اور آج بھی ہر طرف سے زوال و انحطاط کی جو تاریک گھٹائیں ان پر متولی ہیں، وہ صرف حدیثی اسلام اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور سنت پر عمل پیرا ہونے ہی کی بدولت (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) بچنا بچہ ایک ایسا ہی بے دین اور دریدہ دہن سنت سے متعلق یہ لکھتا ہے کہ :-

”یہ سنت ہی تھی جس نے اسلام کے ابتدائی جمہوری مزاج میں بگڑ پیدا کیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متعدد فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا، یہ سنت ہی تھی جس نے بنو قریظہ اور بنو عباس کے عہد میں مذہبی لوگوں کو غیر معمولی اہمیت دلائی (سنت سے ناراض ہونے کی اصل وجہ بھی شاید یہی ہے۔ صفحہ ۱۰۵) اور یہ سنت ہی تھی جس نے دولت عثمانیہ کو ناقابل علاج مریضوں کی آماجگاہ بنایا۔“

(بحوالہ اخبار التین نمبر ۹ فروری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۰۵)

پناہ بخدا۔ یہ بالکل بے بنیاد اور فاسد نظریہ آج سکولوں اور کالجوں، کارخانوں اور دفاتر کے بعض بزرگ خود روشن خیال نوجوانوں کے عقائد و اعمال اور اخلاق و رویت

کو دیکھ کر طرح چاٹ اور گھٹن کی طرح کھار رہا ہے لیکن وہ اس بے حقیقت نظریہ کو تریاق سمجھ رہے ہیں اور امت کے انحطاط و زوال کے اصل سبب کو کہ وہ صرف قرآن و حدیث اور اخلاق و روحانیت سے بے بہرہ اور بعید ہونا ہے، تجاہل عارفانہ کے طور پر پس پشت ڈالا جا رہا ہے اور اس کا نام تک نہیں لیا جاتا۔ فوا اسفا!

وہ کون عقل مند اور نصیب مزاج ہے جو اس کا انکار کر سکے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی اسلامی زندگی ایک نہایت اعلیٰ و رفیع زندگی ہے جو نوع انسانی کی امن و سلامتی اور فلاح و کامیابی کی حقیقی راہ دکھانے کی کفیل ہے جس نے تمام طاغوتی نظامائے زندگی کو مٹا کر ان کی جگہ پاکیزہ دین و نیکو روایت اور چمکتی ہوئی شریعت پیش کی ہے جس سے بیگانہ اور منحرف ہونے کے بعد مسلمان دنیا میں رفتہ رفتہ اپنے مقام اور ارفع منصب کھو بیٹھے ہیں اور بد قسمتی سے اب ان کے عقائد و عمل اور افکار و نظریات میں ایسا ہمہ گیر اور خوفناک انتشار اور تضاد پیدا ہو گیا ہے کہ علی العموم ان کا ہر نظم و قلمی، ہر دیانت بددیانتی اور ہر اتفاق بے اتفاقی پر ہی منتج ہو کر رہ جاتا ہے (الامام شمس اللہ)

خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطاب (المتوفی ۳۳ھ) نے ایک خاص موقع پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (المتوفی ۱۸ھ) سے خطاب کرتے ہوئے کیا ہی عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے :-

انا صغارا فقل قوم فاعترنا الله  
يا اسلام ففهمنا فطلب العز بنيد  
ما اعترنا الله به اذ لنا الله  
استدركنا ليعلمنا قال الحاكم والذهب  
صحيح على شرطهما  
ہم نہایت ذلیل لوگ تھے سو اللہ تعالیٰ نے ہمیں  
اسلام کے ذریعہ عزت بخشی ہے ہم جب بھی  
اس طریقہ کے علاوہ جس سے اللہ تعالیٰ نے  
ہمیں عزت بخشی ہے کسی اور ذریعہ عزت حاصل کرنا  
چاہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر کے چھوڑیں گے

اور ایک خالص حقیقت ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اسلام اور اسلام کے ذریعے اصول اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی اور اتباع ترک کر دی ہے اسی وقت سے وہ دنیا میں ذلیل اور خوار ہو کر زندگی بسر کر رہے ہیں اور بھائے اوج کے خفیض سے اور بھائے عروج کے زوال سے ہمکنار ہیں۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی  
شریانے زمین پر آسمان سے ہم کو دے مارا

### فطرت اللہ

سمندر کا ایک ایک قطرہ ریت کا ایک ایک ذرہ، درختوں کا ایک ایک پتہ اور زمین و آسمان کا ایک ایک شوشہ بزبانِ حال ہر باشعور کو ہچکار ہچکار کر یہ دعوت فکری دیتا ہے کہ تمہارا اپنے آقائے حقیقی کے ساتھ ایک ازلی رشتہ اور ایک ابدی علاقہ ہے جس نے تمہاری جسمانی راحت و آرام کی خاطر اہتمام فرمایا ہے اُس سے لینا بادہ اُس نے تمہاری کائناتِ روحانی کی آسائش و زیبائش کا معقول اور واضح تر انتظام کیا ہے۔ یہ بہتے ہوئے دریا، یہ اُبلتے ہوئے چشمے، یہ لہلاتے ہوئے سبزے، یہ چھپتے ہوئے پرندے، یہ اونچی اونچی پہاڑیاں، یہ گھنی اور گنجان جھاڑیاں، یہ تناور اور پھل دار درخت، یہ خوش رنگ اور خوشبو دار پھول اور پتیاں، یہ چہرہ پرندہ، یہ نباتات و حیوانات، یہ ارض و سماء اور یہ مادی عالم کے جملہ تغیرات، کیا یہ دعوت نہیں دیتے کہ زندگی کے ہر لمحہ میں عہد اپنے معبود کو یاد رکھو۔ جلوت و خلوت، ظاہر و باطن، امارت و غربت کسی حالت میں بھی اس کے خیال سے غافل نہ ہو۔ عہد منیب کہ اپنے معبود حقیقی کے ساتھ یہ تعلق چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، صحت و سقم اور سفر و حضر ہی کی کیفیات تک ہرگز محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر لمحے اور حیاتِ ناپائیدار و مستعار کی ہر گھڑی میں وہ اپنے معبود ہی کی بے نیازی و عظمت کا اقرار کرتا ہوا نظر

آئے گا۔ کسی آن اور کسی شان میں بھی عہدِ مسلم کا رابطہ اپنے پروردگار سے ہرگز منقطع نہیں ہو سکتا۔ بندہ اپنی بندگی اور بے چارگی کے تعلقات کو اپنے ربِّ ذوالجلال اور اس کے الطاف و عنایات کے ساتھ وابستہ و استوار رکھنے کے بغیر بندہ کھلانے کا مستحق ہی نہیں ہو سکتا۔

بندہ کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خوف اور ڈر رکھنے کے باوجود بھی اس کی رحمت و رأفت کی قوی امید اور اُس کی نصرت و مددگیری پر کامل اعتماد اور اتکال کرے اور ہر وقت اس کی توجہ کا مرکز صرف وہی ذاتِ کبریائی ہی ہو۔ کھانے پینے کی کوئی مجلس ہو یا کھیل و شغل کی کوئی محفل بے تکلف احباب کی جماعت ہو یا اہل و عیال کی چل پھل، خلوت کا کوئی گوشہ تنہائی ہو یا جلوت کی رنگینی، بازار کی رونق ہو یا حجرہ کا کوئی زاویہ غم، میدانِ کارزار ہو یا شادی کی بزم۔ کہیں بھی اس کے ہاتھوں سے اپنے معبودِ حقیقی کی رضا جوئی کا مضبوط اور مستحکم سرشتہ ہرگز جدا نہیں ہو سکتا۔ اور زندگی کے کسی لمحہ میں بھی وہ اپنے معبود کی عظمت و جلالت کے خیال سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالیٰ کی بندگی اور بندوں کی بچاؤ کی ان مستحکم روابط اور تعلقات کا چرلی دامن کا ساتھ ہے جو کسی وقت منقطع نہیں ہو سکتے۔ رُپِ قدیر سے نجات کھاتے ہوئے عہدِ منیب جب فطرت کی گہرائیوں میں ڈوب کر اپنی تمام فطریات کا جائزہ لیتا اور اپنی ذاتی زندگی کا محاسبہ کرتا ہے۔ اور جب اس عقیقِ مطالعہ کے بعد اپنا سر اٹھاتا ہے تو حسبِ ارشادِ خداوندی فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ اگر وہ اس فطرت سے بیگانہ نہیں ہو چکا تو وہ خدا تعالیٰ ذوالجلال کے سامنے سر نیاز جھکا کر رقتِ انگیز لہجے اور محبتِ خیر نے میں یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ

ہمیشہ تیرے در پر ہو ہر تقسیمِ غم میرا  
ہے تیرے تصرف میں زباں میری قلم میرا



## فطرت صحیحہ تک سائناتی کا طریقہ

نفسانی خواہشات انسان کو انجام دینے سے روک کر تین آسانی اور راحت کا گریوہ بنانے پر آمادہ اور مذہبی تقاضوں پر غفلت کے پرے ڈالنے میں مصروف و کوشش رہتی ہیں۔ اکتساب اخلاق فاضلہ، خیر و شر کی حقیقی تمیز اور زندگی کے اعلیٰ ترین مقصد و مرام تک پہنچنے اور ان کمالات کے حاصل کرنے سے روکتی ہیں جو مذہب پر کاربند ہو کر آنے والے سفر میں بھی رفیق سفر رہتے ہیں۔

اگر آج کوئی مستغش ایسا باقی نہ رہے جو خدا نے بزرگ و برتر کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ اور روز جزاء کے مؤاخذہ سے بچنے کے لیے اپنی تمام خواہشات نفسانی اور نفسِ امارہ کا مقابلہ کر سکتا ہو اور اگر تمام اہل کو جو کسی نہ کسی حیثیت سے مذہب و دین کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، افکار دینے والے قویہ و غریب اور دلکش دنیا نہ صرف یہ کہ بے لطف و بے روف بن جائے گی بلکہ درندوں کا جھگڑا و وحشی جانوروں کا اکھاڑ اور شیطانوں کی بستی بن جائے گی۔ پس اس بات کے تسلیم کر لینے میں ذمہ بھرتا مل نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں اخلاق و روحانیت تہذیب و تمدن اور تمدنی ترقیات اور عمدہ اخلاق کی بنیاد مذہب ہی نے قائم کی ہے اور مذہبیت کی عمر قبل انسانی کی عمر سے ایک دن بھی کم نہیں ہے اور مذہب کوئی وہی اور خیالی چیز نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور چیز حقیقت نہیں اور وہ ایک ایسی صداقت ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور صداقت تصور میں نہیں آ سکتی۔ مگر یہ یاد رہے کہ مذہب سے مراد اس بلکہ الہی، الہامی اور آسمانی مذہب ہے جس میں تمام عمدہ و اعمال اور اخلاق و معاملات، انہجیات، ابعاد، الہامات اور اسی طرح بے شمار دیگر احکام و مشرعات طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ باقی دھرمی یا فلسفی، محض عقلی اور خود ساختہ نظریات کو مذہب کہنا ہی اشتغالِ غلطی ہے اور ان بے بنیاد مذہب کو علم انسانیت میں

کبھی کوئی اہمیت حاصل ہی نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔

مذہب صرف وہ ہے جو رسول اور نبی کے ذریعہ دنیا میں شائع ہوا۔ جس کی نشر و اشاعت کے لیے بہت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وقتاً فوقتاً دنیا میں مبعوث ہوتے رہے۔ جنہوں نے فطرت اللہ کے موافق نسل انسانی کی بہترین رہنمائی کی اور توجہ الی اللہ کے لیے اظہارِ عبودیت کے مختلف اور متنوع اعمال و اشغال بتائے اور اس طرح فطرت انسانی کی شکستہ جگہ کے ساتھ ہی ساتھ دین الفطرت بھی شکستہ ہوا گیا۔ جن لوگوں نے عقل صحیح اور الہام ربانی سے بے نیازی برتی اور اپنے ارادہ اور اختیار کا غلط استعمال کیا تو وہ فطرت اللہ کی تباہی میں آوارہ اور گمراہ کرانہ بن کر انبیاء و ملاحک، جنات و بنی آدم، اجار و مہبان، چاند و سورج، آسمانے و فطرعی ارجل، دریا و پہلا، درخت اور آگ وغیرہ کو معبود سمجھ کر ان کی پرستش کرنے لگے اور اب بھی مختلف ملکوں اور متعدد قوموں میں آب و تاب کے ساتھ رنگ و رنگ خود ساختہ دلائل سے اس گمراہی کی ترویج کی جا رہی ہے۔ اور لوگ اس سے غافل ہیں۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں

اگرچہ پیر ہے آدم حوال ہیں لات و منات

الغرض خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور فطرت اللہ کے موافق زندگی بسر کرنا وحی الہی کے بغیر بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ انسان خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے اور اپنے علم و اوقیت کو کیسے ہی اعلیٰ سے اعلیٰ معیار اور مقام تک پہنچائے پھر بھی وہ بغیر امداد خداوندی اور وحی الہی کے اور بدون رہبری رسول اور راہ نمائی نبی کے نہ تو اپنی سعادت اور نجات اخروی کے طریقوں سے واقف ہو سکتا ہے اور نہ نیکی اور بدی کا پورا تعین کر سکتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور ہادیان برحق علیہم السلام کے ذریعہ انسان کو توجہ دلائی ہے کہ تمہاری جسمانی پیدائش، بدنی پرورش اور روحانی تربیت کے تمام سامانوں

کا پیدا اور حتمی کرنے والا صورت تمہارا حقیقی پروردگار ہے اور اس کی ربوبیت کے بغیر نہ تو تمہارا وجود ممکن ہے اور نہ تمہاری روحانی ترقی اور مقصدِ حیات سے بچنا اور فناءِ ظالم کرنے کا کوئی اور موجب۔ اللہ تعالیٰ نے ان اہل ایمان پر حق کو تعلیم ربانی پیش کرنے کا نہایت مرق و پُر اثر و دل نشین اور یقین آور ملکہ عطا فرمایا جس سے جاہل و عالم دیہاتی و شہری و فوجیان و بزرگوار و عورت و غرض ہر طبقہ اور ہر حیثیت کا آدمی یکساں متاثر و مستفید ہوتا رہا اور اب بھی مستفیض ہو سکتا ہے۔

فلو ربوت سب تک دن رات میں گن گنا ہے اے ہر درخت کی کھنڈ سے شمع شبتل کیا کنا اور ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کامل و مکمل دین، ناقابلِ ترمیم و تسخیر شریعت اور معراج کمال تک پہنچانے والا بہترین مسوۂ حسنہ کے کہ معجوت فرمایا۔ جو تمام عالم کی ہدایت اور رہبری کے لیے بھیجے گئے۔

پھر آپ وحی الہی کے مبط اور خداوند تعالیٰ کے مخاطب اور احکام خداوندی کے سب سے پہلے تعمیل کنندہ اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے خواہاں اور سب سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے فرمانبردار اور مطیع تھے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے لیے مکمل نمونہ بنا کر معجوت فرمایا تھا، لہذا وہی سب سے بہتر و وحی الہی کے منشاء و مراء کے سمجھنے اور سمجھانے والے تھے اور اسی لیے آپ کی اطاعت عین خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے، اور آپ ہی کے مکمل نمونے کی پیروی سے دین حق و دنیا میں قائم ہے۔ آپ کا ہر ایک حکم دین کے معاملہ میں ایسا ہی واجب التعمیل اور ضروری ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ کا حکم اور مقرر ہے کہ آپ کا ہر ایک حکم خدا تعالیٰ ہی کے منشاء کے ماتحت ہوتا تھا۔ خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف آپ کسی کو کوئی حکم نہیں دیتے تھے۔ اگر کسی موقع پر آپ کوئی اجتہادی لغزش سرزد ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ تنبیہ نازل فرما کر اصلاح فرما دیا کرتا تھا۔ اور اس لغزش پر آپ کو ہرگز برقرار نہیں رکھا جاتا تھا۔

آپ کے ایسے احکام کو جو قرآن کریم کے سوا ہیں، وحی تخی اور حدیث کہتے ہیں۔ اور یہ ایک واضح و شگاف حقیقت ہے کہ صحیح وحی تخی اور حدیث یقیناً وحی ملی اور قرآن کریم ہی کی تفسیر اور اس کی تشریح ہے، اس کی مخالفت ہم گمراہ نہیں۔

قرآن کریم میں متعدد لمعات پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا گیا اور آپ کی نافرمانی سے منع کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ امت کے لیے آپ بہترین نمونہ ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ

(پ۔ النساء۔ ۱۱)

اللہ ہی کی اطاعت کی۔

نیز فرمایا کہ:-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

يُحِبِّكُمْ اللَّهُ

اے رسول! آپ لوگوں سے کہتے ہو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو تم میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا۔

(پ۔ آل عمران۔ ۳)

اور ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا ہے:-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ۔ احزاب۔ ۲)

مسلمانو! تمہارے واسطے جب رسول اللہ کا طرز عمل پیروی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

غرض کہ جیسے آپ کی ہستی مخلوق خدا میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اس طرح آپ کا اسوۂ حسنہ بھی بے مثل و اصابہ نظیر ہے جس کا تمام عالم میں کوئی بدلہ نہیں سمجھتا۔

شراب خوشگوارم بہت دیدہ و سراں ساتی

نزدیک چمکس یاے چنیں یاے کہ من دارم !

جس طرح قرآن کریم میں آپ کی اطاعت اور اتباع کو امت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے اور تمام امت پر آپ کے عوۂ ترین مسوۂ حسنہ کی پیروی ضروری بتائی گئی ہے

اسی طرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی عیاں الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:-  
لَا يَمُنُ أَحَدٌ حَتَّى يَكُونَ  
ہو اٰمِنًا مَّا جَنَّتْ بِهِ رِوَاہِ فِی  
شَیْخِ السَّنَةِ وَقَالَ النَّوَوِيُّ فِی اَبْعِیْنِہُ  
ہذا حدیث صحیح (مشکوٰۃ ج ۲)

اور پروردگار عالم نے قسم اٹھا کر یہ حکم بیان کیا ہے کہ تیرے رب کی (یعنی مجھے  
اپنی ذات کی) قسم کہ یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے تاؤنیکہ آپ کو مہربات  
اور ہر معاملہ میں اپنا فیصل اور حکم تسلیم نہ کریں اور پھر دل میں ذرہ بھرتی محسوس نہ  
کریں اور آپ کے حکم کے سامنے گردن تسلیم نہ کریں۔ فَلَا دَوْرَ لَكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى  
يُحْكَمَ بِكُمُ الْآيَاتُ۔ اس کے بعد بھی اگر کسی آبلہ فریب کو یہ مغالطہ ہو کہ آنحضرت صلی  
اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اور آپ کی اطاعت اور اتباع ہماری لیے لازم نہیں اور آپ کے  
ارشادات کی حیثیت محض تاریخی واقعات کی سی ہے جن کے انکار سے کفر لازم  
نہیں آتا تو اس بہت دھرمی کا علاج یہاں نہیں بلکہ کسی اور جہاں ہی میں ہو سکتا ہے  
اور خود حالات اس کو بتائیں گے کہ وارفانی میں اس کا کن سے عشق و پیار تھا اور دنیا  
میں اُس نے کیا کیا اور کیا کھویا۔

لوقت صبح شود، پنج روز معلومت

کہ باکہ باختہ عشق و شب دیوچور

اسوہ حسنہ کی جامعیت

دنیا میں جتنے بھی رسول اور نبی تشریف لائے ہیں ہم ان سب کو سچا مانتے  
اور اُن پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور ایسا کرنا ہماری فريضہ اور عہدہ میں  
داخل ہے۔ لَا تَقْرَبُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ مگر اس ایمانی اشتراک کے باوجود بھی

ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی نمایاں خصوصیات اور کچھ جداگانہ کمالات و فضائل  
ہیں جن کو تسلیم کے بغیر ہرگز کوئی چارہ کار نہیں ہے مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
سے پہلے جتنے انبیاء و رسل علیہم السلام تشریف لائے ہیں تو ان سب کی دعوت  
کسی خاص خاندان اور کسی خاص قوم سے مخصوص رہی، حضرت نوح علیہ السلام تشریف  
لائے تو اپنی دعوت کو صرف اپنی ہی قوم تک محدود رکھا۔ حضرت ہود علیہ السلام  
جلوہ افروز ہوئے تو فقط قوم عاد کو خطاب کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام معوت  
ہوئے تو محض قوم ثمود کی فکر کے کرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے  
پیغمبر تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی اسرائیل کو نجات دلانے کے لیے بھیجے  
گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بس بنی اسرائیل کی کھوئی بھیڑیوں کی تلاش  
اور سراغ میں نکلے تھے۔ جب غیروں نے اُن کے روحانی کمالات سے استفادہ کرنے  
کی اپیل کی تو اس نے جواب میں کہا کہ لوگوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں  
(انجیل نئی۔ باب ۱۵۔ آیت ۲۶)

یہی وجہ تھی کہ ان پیغمبروں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی قوم سے باہر نظر نہیں  
ڈالی لیکن جب رحمت خداوندی کی وہ عالمگیر گھٹا جو فاران کی چوٹیوں سے اٹھی تھی جس  
سے انسانیت و شرافت، دیانت و امانت، عدل و انصاف اور تقویٰ و ورع کی  
مرجھائی ہوئی کھینچاں پھر سے سرسبز و شاداب ہو کر لبسا اٹھیں۔ وہ قوم و جماعت،  
ملک و زمین، مشرق و مغرب، شمال و جنوب اور نزدیک و تمام قیدوں اور پابندیوں سے  
بالکل آزاد تھی۔ وہ بلا امتیاز وطن و ملت، بلا تفریق نسل و خاندان، بدولت و رنگ و خون  
بغیر لحاظ سیاہ و سپید اور بے اعتبار حسب و نسب تا قیامت پوری نسل انسانی کے  
لیے رحمت مودۃ بن کر نمودار ہوئی اور رب ذوالاحسان نے خود آپ ہی کی زبان  
فیض رسال سے یہ اعلان کر دیا کہ:-

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ دَسُوْلُ اللّٰهِ اَبْ کَہ دِیجے کر کے لوگو! بے شک  
اَلنَّکُوْرُ جَمِیْعًا (پہ۔ اعراف۔ ۱۹۷) میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔  
وہ ابریکرم اٹھا تو فرار ان کی چوٹیوں سے، مگر سب روتے زمین پر پھول برس آ اور  
شرودہ جانفزاںسا تا ہوا چھا گیا اور پوری دھرتی کے چپے چپے پر خوب کھلکھلا کر برادشت و  
صحرائے اُس سے آسودگی حاصل کی۔ بحر و بئاس سے سیراب ہوئے چمنٹوں نے اس  
سے رونق پائی اور ویرانوں کو اس کی فیض پاشی نے محل و گورہے محو کر دیا۔ اہل عرب  
اس سے مستفید ہوئے۔ یا شدہ گلن عجم نے اُس سے اکتاپ فیض کیا۔  
یورپ نے اس کی خوش چینی کی اور لاشیاں اس کا گرویدہ بنا۔ دنیا کے تمام گمراہوں کو لوٹی  
صلوات نکالنے کی اس نے روانہ کی۔ اور اور گمان دشت غواہت کی رہبری  
کی۔ اور نسل انسانی کے سب مایوس مریضوں اور ہر قسم کے نا امید بیماروں کو زود اثر تریاق  
اور نسخہ شفا بخشا۔

اگر کجرا سے سوئے قوم آیا !

اور اک نشوونیکمب ساتھ لایا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت صرف نسل انسانی ہی  
کے لیے نہیں بلکہ جنات بھی اس امر کے مکلف اور پابند ہیں کہ آپ کی نبوت و رسالت  
کا اقرار کر کے آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور نجات اخروی  
تلاش کریں۔ ثقلین (انس و جن) کا مکلف ہونا نیز جنات کا قرآن کریم کو غور و فکر سے  
سنی کر اس پر ایمان لانا اور پھر جا کر اپنی قوم کو تبلیغ کرنا قرآن مجید میں مضرع ہے اور  
عالمین کے مقصوم میں جنات بھی شامل ہیں اور قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کیا گیا  
ہے کہ آپ کو تمام جہانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا گیا۔ لَیْکُوْنُ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔  
اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:-

اورسلت الی الاحمر والاسود قال مجھے شرح اور سیاه کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے  
مجلد ۲ ص ۲۴۴ قال المحاکمہ والذہبی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ شرح سے انسان  
جلد ۲ ص ۲۴۴ اور سیاه سے جن مراد ہیں۔

علی شرطہما

جو مکام اخلاق آپ کو خالق کو نین کی طرف سے مرحمت ہوئے تھے اور جن کی  
تکمیل کے لیے آپ کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا وہ مکلف مخلوق کی فطرت کے جملہ  
مقتضیات کے عین مطابق تھے اور جن کا مقصد صرف یہی نہ تھا کہ ان کے ذلیعہ روحانی  
مریضوں کو ان کے بستروں سے اٹھا دیا جائے بلکہ یہ بھی تھا کہ اٹھنے والوں کو چلا دیا جائے  
اور چلنے والوں کو مسرعت دوڑایا جائے اور موٹے والوں کو روحانی کمال اور اخلاقی معراج  
کی غایت قصویٰ تک اور سعادت دنیوی ہی نہیں بلکہ سعادت دارین کی سدرۃ المنتهی  
تک پہنچایا جائے اور ان کا خوالن نعمت فقط مریضوں کے لیے قوت بخش اور صحت  
افزار نہ ہو بلکہ وہ تمام مکلف مخلوق کی اصل فطری اور روحانی لذیذت ہی ہو کر رہے  
مکام اخلاق اور اسوہ حسنہ نے وہ تمام ممکن اسباب مہیا کر دیے ہیں کہ خلق عظیم کی بلند  
دستوار گزار گھائی پر چڑھنا آسان اور سہل ہو گیا ہے۔ آپ کی بعثت کے اغراض و مقصد  
میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی تھا جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:-

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاَتَمِّمَ صَالِحَ الْخَلْقِ مجھے تو اس لیے بعثت کیا گیا ہے تاکہ میں  
دقی مویہ مکام الاخلاق (قال الشیخ نیک خصلتوں اور مکام اخلاق کی تکمیل کر دوں۔  
حدیث صحیح۔ السراج المنیر ص ۴۷)

اور یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جس طرح دیگر انبیاء کریم علیہم السلام خاص  
جماعتوں اور مخصوص قوموں کے لیے مصلح اور پیغمبر تھے، اسی طرح ان کی روحانیت اور  
اخلاقی آئینے بھی خصوصی صفات اور اصناف کے مظہر تھے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام

مجرم اور نافرمان قوم کی نجات کے لیے باوجود قوم کی ایذا رسانی کے سعی تبلیغ کی زندہ یادگار تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اخلاص و قربانی کی مجسم مثال تھے کہ انہوں نے اپنے اکھڑے اور عزیز ترین لخت جگر کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے اپنی طرف سے ذبح کر ہی ڈالا اور اس کے حکم کی تعمیل میں کسی قسم کی کوتاہی اور کمزوری نہ دکھائی، جس کی ایک ادنیٰ اور معمولی سی بات نام نقل آج بھی ہر صاحب استطاعت مسلمان اُٹارتا اور سُنَّۃُ اَبِیْکَہٗ اَبْرَہِیْمَ کی پیروی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ جذبات ہے کہ یہ تیری ذبح ذبحِ عظیم کی ہوشیل کیوں کر خلوص میں نہ خلیل کا سا ہے دل تیرا نہ ذبح کا سا گلاتیسا۔

حضرت ایوب علیہ السلام صبر و رضا کے پیکر تھے، مصائبِ آلام کے لیے پناہ سیلاب بگئے مگر وہ مضبوط پہاڑ کی طرح اپنی جگہ ثابت رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی جبرأتِ حق کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی، کہ فرعون جیسے جابر اور مطلق العنان بادشاہ کے دربار میں سادوں کے بادلوں کی طرح گرج اور صاعقہ آسمانی کی طرح کڑک کر تہلکہ ڈال دیتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی صبر آزمائیاں یادگار دہر تھی کہ اپنے ہی بیٹوں کے ہاتھ سے پیارے یوسف کے سلسلہ میں اذیت اور دکھ اٹھا کر قصہ بزرگ جیل فرما کر خاموش ہو گئے۔ اور اندر ہی اندر آنسوؤں کے طوفان موجیں مارتے ہوئے ساحلِ اُمید سے ٹکراتے رہے اور نا اُمیدی کو قریب نہیں آنے دیا کہ ۷

نگاہِ لطف کے اُمید دار ہم بھی ہیں

حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقت مآب زندگی پاکہ امن و فوجانوں کے لیے باعثِ صداقت رہے کہ انہوں نے امراءِ عزیز کی تمام مکاریوں اور جیل جویوں کی استحوال شکن دنجیروں کی ایک ایک کڑی کو محاذِ اللہ فرماتے ہوئے پاش پاش کر دیا۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی شاہانہ زندگی ان سب کے زلی تھی کہ قبائے سلطنت اور عباسی خلافت اور کھ کر مخلوق خدا کے سامنے ظہور پذیر ہوئے اور اس طریقہ سے عدل و انصاف کے مطابق ان کی خدمت کا عمدہ فریضہ انجام دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو کل وقاحت، زہد و خود فراموشی کی ایک پوری کہانت تھے کہ زندگی بھر سر چھپانے کے لیے ایک جھونپڑی بھی نہیں بنائی اور فرمایا: "لے لوگو! یہ کیوں سوچتے ہو کہ کیا کھاؤ گے؟ فضا کی چڑیوں کے لیے کاشتکاری کون کرے؟ اور ان کے منہ میں خوراک کون ڈالتا ہے؟۔ لے لوگو! تمہیں اس کی کیا فکرت ہے اور تم یہ کیوں سوچتے ہو کہ کیا پہنؤ گے؟ جنگل کی سوسن کو اتنی دیدہ زیب پوشاک اور خوبصورت لباس کون پہناتا ہے؟

یہ تمام بزرگ اور مقدس ہستیاں اپنے اپنے وقت پر تشریف لائیں اور بغیر حضرت یحییٰ علیہ السلام سب دنیا سے رخصت ہو گئیں لیکن جب قصرِ نبوت اور ایوانِ رسالت کی آخری اینٹ کا ظہور ہوا جس کی انتظار میں دہر کھن سال نے ہزاروں برس صرف کھینے تھے۔ آسمان کے سلسلے اسی دن کے شوق میں ازل سے چشمِ براہ تھے۔ اُن کے استقبال کے لیے لیل و نہار بے شمار کروٹیں بدلتے رہے۔ اُن کی آمد سے محض کسریٰ کے محل کے چودہ کنجھے ہی نہیں بلکہ ریم عرب، شانِ عجم، تنگوت روم، فلسطہ یونان اور اورج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر گر آں واحد میں بیونہ زمین ہو گئے، تو پورے کمرہ ارض کے لیے ایک عالمگیر سعادت اور ایک جم گھر رحمت لے کر آئی۔ آپ کا وجود مقدس روحانیت کے تمام اصناف کی ایک خوشنما کائنات، اخلاقِ حسنہ کی ایک دلاویز جاذبیت، اور رنگِ برنگ گل ہائے اخلاق کا ایک پورا چمنستان تھا۔ اُمتِ مہرِ محمد کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کی دوسوڑی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلعت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت



داؤد علیہ السلام کی مناجات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جرأت، حضرت ہارون علیہ السلام کا تحمل، حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت، حضرت یعقوب علیہ السلام کی آزمائش، حضرت یوسف علیہ السلام کی محنت، زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اقرب الہی کے لیے گریہ و زاری اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا توکل۔ یہ تمام مشترکات آپ کے وجود معبود میں سمٹ کر جمع اور یکجا ہو چکے تھے۔ سچ ہے کہ

حسن یوسف دم عینے بد بیضا واری  
آنچه خوابا ہمہ وارند تو تنہا واری

غرض کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کی زندگی خاص خاص اوصاف میں نمونہ اور اسوہ تھی۔ مگر سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ و ارفع زندگی تمام نقصا و امثا میں ایک جامع زندگی ہے۔

آپ کی سیرت مکمل اور آپ کا اسوہ حسنہ ایک کامل ضابطہ حیات اور دستور ہے۔ اس کے بعد اصولی طور پر کسی اور چیز کی سرے سے کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہ جاتی اور نہ کسی اور نظام و قانون کی ضرورت ہی محسوس ہو سکتی ہے۔ سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

اگر آپ بادشاہ اور سربراہ مملکت میں توشاہ عرب اور فرماں روا عالم کی زندگی آپ کے لیے نمونہ ہے۔ اگر آپ فقیر و محتاج ہیں تو کبیلے والے کی زندگی آپ کے لیے اسوہ ہے، جنہوں نے کبھی دقل (دو تھی قیم کی کھجوریں) بھی بیٹ بچہ کو نہ کھائیں۔ اور جن کے چولہے میں بسا اوقات دو دو ماہ تک آگ نہیں جلائی جاتی تھی اگر آپ سپہ سالار اور فلاح ملک ہیں تو بدر و حنین کے سپہ سالار اور فاتح مکہ کی زندگی آپ کے لیے ایک بہترین سبق ہے جس نے غنودہ و کرم کے دریا بہا دیے تھے۔

اور لا تشریب علیکھم الیوم کا خوش آئند اعلان فرما کر تمام مجرموں کو آن واحد میں معافی کا پروانہ دے کر بخش دیا تھا۔

اگر آپ قیدی ہیں تو شعیب ابی طالب کے زندانی کی حیات آپ کے لیے درس عبرت ہے۔ اگر آپ تارک دنیا ہیں تو غارِ حرام کے گوشہ نشین کی خلوت آپ کے لیے قابل تقلید عمل ہے۔

اگر آپ چرواہے ہیں تو مقام اجیاد میں آپ کو چند قراریط (لکڑیوں) پر اہل مکہ کی بکریاں چراتے دیکھ کر تسکین قلب حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر آپ سمحار ہیں تو مسجد نبوی کے محار کو دیکھ کر ان کی اقتدار کر کے خوشی محسوس کر سکتے ہیں۔ اگر آپ مزدور ہیں تو خندق کے موقع پر اس بزرگ ہستی کو چھاڑا لے کر مزدوروں کی صف میں دیکھ کر اور مسجد نبوی کے لیے بھاری بھر کم دینی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے ہوئے دیکھ کر قلبی راحت حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر آپ مجرور ہیں تو اس پچیس سالہ نوجوان کی پاکدامن اور عفت مآب زندگی کی پیروی کر کے سرور قلب حاصل کر سکتے ہیں جس کو کبھی کسی بدترین دشمن نے بھی داغدار نہیں کیا اور نہ کبھی اس کی جرأت کی ہے۔

اگر آپ عیال دار ہیں تو آپ متحد و ازواج مطہرات کے شوہر کو اَنَّا خَلَقْنٰکُمْ فَاِھْلٰی فَرَلْتُمْ ہوتے سن کر جذبہ اتباع پیدا کر سکتے ہیں۔

اگر آپ یتیم ہیں تو حضرت آمنہ کے لعل کو یتیمانہ زندگی بسر کرتے دیکھ کر آپ کی پیروی اور تائیدی کر سکتے ہیں۔

اگر آپ مال باپ کے ایکلے بیٹے ہیں اور بہنوں اور بھائیوں کے تعاون و تناسر سے ہم ہیں تو حضرت عبداللہ کے اکھوتے بیٹے کو دیکھ کر اعٹک شوقی کر سکتے ہیں۔

اگر آپ باپ ہیں تو حضرت زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ، اسماء اور ابراہیم

وغیرہ کے شفیق و مہربان باپ کو ملاحظہ کر کے پدارت شفقت پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ تاجر ہیں تو حضرت خدیجہؓ کے تجارتی کاروبار میں آپ کو دیندارانہ سعی کرتے ہوئے معاملہ کر سکتے ہیں۔

اگر آپ عابد شب خیز ہیں تو اسوۂ حسنہ کے مالک کے متورم قدموں کو دیکھ کر اور اَفَلَا اَكْفَوْنَ عَبَادًا مَّشْكُورًا فرماتے ہوئے آپ کی اطاعت کو ذریعہ تقرب خداوندی اختیار کر سکتے ہیں۔

اگر آپ مسافر ہیں تو خیر و تبرک وغیرہ کے مسافر کے علامات پڑھ کر طہنیت قلب کا دافر سامان متیا کر سکتے ہیں۔

اگر آپ امام اور قاضی ہیں تو مسجد نبوی کے بلند رتبہ امام اور فصل خصوصیات کے بے باک اور منصف مدنی نفع کو بلا امتیاز قریب و بعید اور بغیر تفریق قوی و ضعیف فیصلہ صادر فرماتے ہوئے مشاہدہ کر سکتے ہیں اور اگر آپ قوم کے خلیفہ ہیں تو خلیفہ عظم کو منبر پر جلوہ افروز ہو کر مبلغ اور مؤثر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اور غافل قوم کو اتی اَسَافَ ذِیُو الْعَرَبِ انِ فَرَاکَ بیدار کرتے ہوئے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ الغرض زندگی کا کوئی قابل قدر اور مستحق توجہ پہلو اور گوشہ ایسا باقی نہیں رہ جاتا جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محصور اور قابل اقتداء زندگی جملے سے بہترین نمونہ، علامہ ترین اسوۂ اور اعلیٰ ترین معیار نہ بنتی ہو۔

پس اُس وجودِ قدسی پر لاکھوں بلکہ کروڑوں درود و سلام، جس کے وجودِ خود میں ہماری زندگی کے تمام پہلو کھٹ کر آتے ہیں اور ہماری رُوح کا ایک ایک گوشہ عقیدت و اخلاص کے جوش سے معمور ہو جاتا ہے جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا کے محل و گھر کا جو پائدار خزانہ تمام ارض و سما اور بحر و بر چھان ڈالنے کے بعد بھی کسی قیمت پر جمع نہیں ہو سکتا تھا وہ انمول خزانہ امت مرحومہ کو اپنے پیلے نبی کے

اسوۂ حسنہ اپنے برگزیدہ رسول کی سنتِ صحیحہ اور اپنے مقبول رسول کے معینِ حدیث کی ایک ہی کان لودِ معن سے فراہم ہو گیا ہے۔ اور قرآن کریم کے بعد ہماری تمام بیماریوں کا مداوا حدیثِ پاک میں علی وجہ الائم موجود ہے۔  
اصل دین آدم کا لام اللہ معظم داشتن پس حدیثِ مصطفیٰ برجالِ مسلم داشتن فتنہ انکار حدیث

مذہبی لحاظ سے سطح ارضی پر اگرچہ بے شمار فتنے رونما ہو چکے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں اور تا قیامت باقی رہیں گے۔ لیکن فتنہ انکار حدیث اپنی نوعیت کا واحد فتنہ ہے باقی فتنوں سے تو شجرۂ اسلام کے برگ و بار کو ہی نقصان پہنچا ہے لیکن اس فتنہ سے شجرۂ اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور اسلام کا کوئی بدیسی سے بدیسی مسئلہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

اس عظیم فتنہ کے دست برد سے عہدِ و اعمال، اخلاق و معاملات، معیشت و معاشرت اور دنیا و آخرت کا کوئی اہم مسئلہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ قرآن کریم کی تفسیر اور تشریح بھی کچھ کی کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اس فتنہ نے اسلام کی بساطِ کُہن اُلٹ کر رکھ دی ہے۔ جس سے اسلام کا نقشہ ہی بدل چکا ہے، سچ ہے کہ ستم کیشی کو تیری کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے گا اگرچہ ہو چکے ہیں تجھ سے پہلے فتنہ گر لاکھوں

نزولِ وحی کے زمانہ سے لے کر تقریباً پہلی صدی تک صحیح احادیث کو بغیر کسی تفصیل کے متفقہ طور پر حجت سمجھا جاتا تھا اور حسب مراتب عہد و اعمال اور اخلاق و معاملات وغیرہ میں قرآن کریم کے بعد احادیثِ صحیحہ سے بلا چون و چرا استدلال و احتجاج درست سمجھا جاتا اور احادیث کو دینی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض فتنہ گر اور خواہش زدہ فرقہ ظاہر ہوئے جن میں پیش پیش معتزلہ تھے

جن کا پیشوا اول واصل بن عطاء المتولد ۱۸۷ھ تھا۔ جن کے نزدیک دلائل و براہین کی مد میں ایک سب سے بڑا معیار و مقياس عقل بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے راحت قبر و عذاب قبر و نشر کے بعض حقائق، روایت باری تعالیٰ، شفاعت، شرط و میزان اور جنت و دوزخ وغیرہ وغیرہ کے بہت سے حقائق ثابتہ اور کیفیات کو اپنی عقل نارسا کی زنجیروں میں جکڑ کر اپنی خام عقل کی ترازو سے تولن چاہا اور راہ راست سے بھٹک کر دوطہ ضلالت میں آوندھے منہ گر پڑے اور اس سلسلہ میں وارد شدہ تمام احادیث کو ناقابل اعتباد قرار دے کر یوں گلو خلاصی کی ناکام اور بے جاسمی کی۔ اور جن کا آسانی سے انکار نہ کر سکے ان کی نہایت ہی پھر اور کریمک تاویلات شروع کر دیں تا آنکہ بعض قرآنی حقائق اور نصوحی قطعہ بھی ان کی دُور کار اور لاطالی تاویلات سے محفوظ نہ رہ سکے جو زبان حال ان کی اس تحریف کی وجہ سے اُن پر لغت کا تختہ بھیتے ہیں۔

معتزل اور ان کے سہی خواہوں کے علاوہ باقی سب اسلامی (یا منسوب بسلام) فرقے صحیح احادیث کو برابر حجت تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ مشہور محدث حافظ ابن حزم (المتوفی ۵۴۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ اہل سنت، خوارج، شیعہ اور قدیر تمام فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُن احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر حجت تسلیم کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد تکلیف معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا (الاحکام جلد ۱ ص ۳۳۰) ابن حزمؒ اس کے بعد یہ مُسلک فتنہ رفتہ رفتہ اپنا نطق اور حلقہ وسیع کرنا چلا گیا اور بہت سے بندگان خواہشات مہرور اس فتنہ کے دام ہمرنگ زمین میں الجھ کر رہ گئے۔ اور یوں اپنی عاقبت برباد کر دی لغوہ باللہ من سوء العاقبت۔

کتابی شکل میں اس غیث فتنہ کی خبر سب سے پہلے مقتدر اہل سنت حضرت امام شافعیؒ (المتوفی ۲۴۰ھ) نے اپنے رسالہ اصول فقہ میں لی ہے جو ان کی مشہور کتاب

الاعتراف کی ساتویں جلد کے ساتھ منضم اور بہت مفید اور مدلل رسالہ ہے۔  
حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) نے بھی اطاعت رسول کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی اور قرآن و حدیث سے غنائیں کی خوب معقول تردید کی ہے جس کا کچھ حصہ حافظ ابن القیمؒ (المتوفی ۷۵۰ھ) نے اپنی تالیف اعلام الموقعین (جلد ۲ ص ۲۱۱) میں نقل کیا ہے۔

علامہ اہل مغرب میں سے شیخ الاسلام ابو عمر ابن عبد البرؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب جامع بیان العلم و فضلہ میں اس فرقے کے بعض باطل اور حیا سوز نظریات کی دھجیاں فضلت آسانی میں بکھیری ہیں۔ ایسے ہی بعض بد باطن اور زانغین سے امام حاکمؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) کو بھی سابقہ پڑا تھا جن کی شکایت انہوں نے مستدرک جلد ۱ ص ۱۱۱ میں کی ہے کہ وہ روایت حدیث پر سب و شتم کرتے اور ان کو مورد طعن قرار دیتے ہیں اور علامہ ابن حزمؒ نے الاحکام میں اس باطل گروہ کے کاسد خیالات کے نیچے ادھیڑے ہیں اور ٹھوس عقلی اور نقلی دلائل سے اُن کا خوب رد کیا ہے اور امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) نے اپنی معروف تصنیف المستصفیٰ میں اس گمراہ طائفہ کے مزخوم دلائل کے تار و پود بکھر کر رکھ دیئے۔ اور عقلی دلائل کے لیے پناہ سیلاب میں اس گمراہ کن ٹولہ کے خود ساختہ براہین کو خش و خاشاک کی طرح بساویا ہے حافظ عمر بن ابی ایوبؒ قرظیریانیؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) نے اس حنپ باطل کی ترمیم میں اپنی انوکھی تالیف الردض البسوس میں کافی دلیلیں اور ٹھوس دلائل پیش کئے ہیں۔ اور حضرت امام سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے بھی اس ناپاک فرقہ کی مفتاح الحجت فی الاحقاق بفتحہ میں خوب تنقید کی ہے اور دینِ توہم کی حفاظت کا حق ادا کیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد علمائے حق نے حدیث کے حجت ہونے اور نہ ہونے کے مثبت اور منفی پہلو پر سیرِ عامل بحث کی ہے۔ اور اس باطل اور گمراہ کن نظریہ کی کہ حدیث حجت نہیں ہے۔

اچھی خاصی تردید کی ہے۔ اور معتدل و مبنی بر انصاف دلائل کے ساتھ حق اور اہل حق کی طرف سے مداخلت کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں باطل کے مقابلہ میں حق تعالیٰ نے کچھ ایسے لغویں قیدی پیدا کیے ہیں جن کی علمی و عملی، اخلاقی و روحانی زندگی حق پسند لوگوں کے لیے مشعل رہا اور مخالفین کے باطل خیالات کے لیے سدِ سکندری بنی رہی ہے۔ جن کے قلموں اور زبانوں نے تلواریں اور نیزوں کی طرح باطل پستوں کے پیش کردہ دلائل کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔ اور قبائے باطل کے لیے نیچے اُڑھیرے ہیں کہ تمام رُفُوگُرہل کر بھی اُن کو جوتنے سے ہے۔ سچ ہے لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مَوْسٰی علامہ اقبالؒ کی زبان سے یہ

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیبِ اللہ کو  
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

**دورِ حاضر کے منکرینِ حدیث**

اگرچہ دورِ حاضر کے منکرینِ حدیث مختلف طبقات اور متعدد افکار و نظریات میں بٹے ہوئے ہیں اور انکارِ حدیث کے کچھ دھاگے کی بودی لڑی میں منسک ہونے کے باوجود بھی وہ بجائے ایک دوسرے کے نظریات اور افکار میں قریب ہونے کے بعید تر ہیں تَحْسِبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتٰی۔

ان تمام کے نظریات و افکار اور عقائد و اخلاق کا بتانا اور مٹانوں کے سامنے پیش کرنا تو ہمارے حیطہٴ امکان سے بالکل باہر ہے اور بغیر اس کے کہ مسلمان ان کے باطل نظریات کو پڑھ کر لاجول پڑھ کر داغِ تحسین دیں اور ان سے نفرت کا اظہار کریں۔ اور فائدہ بھی بھلا کیا ہو سکتا ہے؟ مگر مثال مشہور ہے کہ مَا لَا يَدْرُكُكَ حُلَّةٌ لَا يَدْرُكُكَ كَلَّةٌ۔

ہم ان میں سے بعض چیدہ چیدہ حضرات کے (جو بہ عزمِ خود اور بخیالِ اُتباع و

اذنابِ آہنا بٹے محقق مدق صاحبِ علم اور اہل قلم ہیں) چند عقائد و اقوال اور نظریات و افکار خود انہیں کی عبارات و تحریرات سے لقمہٴ کتاب و صفحہٴ پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمان ان کے خیالات و رجحانات سے قدرے واقف و آگاہ ہو جائیں۔ اور ان کو بھی دعوتِ الی القرآن کے نظرِ نظامِ دلائل و از خودِ شما مگر در حقیقت حد درجہ منسک پروگرام کا علم ہو جائے جو کلمۃُ الحقِ ارسید بہا الباطل کا مصداق ہے اور حق ان کا قال ہی نہیں بلکہ قال سے گزر کر اُن کے کچھ عقائد و نظریات کا حال بھی خود ان کی زبانی معلوم ہو جائے کیونکہ

اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

**عبداللہ چکرالوی**

مولوی عبداللہ چکرالوی بانی فرقہٴ (نام نہاد) اہل القرآن نے حدیث اور حدیث ماننے والوں کے حق میں جو گہرا فٹانی کی ہے اور دلِ مآوَن کی بھڑاس جس انداز سے نکالنے کی لا حاصل کوشش اور کاوش کی ہے وہ ملاحظہ کر لیجئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

① کتاب اللہ کے مقابلہ میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال و افعال یعنی احادیثِ قولی و فعلی و تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے۔ محمد رسول اللہ صلام علیہ کے مقابل و مخاطب بھی قطعی اور یقینی طور اہل حدیث ہی تھے۔

(بلفظ ترجمۃ القرآن بآیات القرآن ص ۹ تحت قول تعالیٰ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔)

صاف اور صریح الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جتنے کفار اور مشرکین تھے مثلاً ابوجہل، ابولہب، عتبہ، اشیبہ، امیہ بن خلف، ولید بن المغیرہ اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ یہ سب کے سب ہی قطعی اور یقینی طور پر اہل حدیث تھے۔ بخاری و مسلم اور دیگر صحاح ستہ وغیرہ کتبِ حدیث کے پورے حافظ بلکہ محافظ تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و







میری خدمت سے ہوا ہے مہربان دوست

میرے احسان میں دشمن پر ہزاروں — مفسد

جنہوں نے خواہ مخواہ میرے برائیاں اور خرابیاں شکل احادیث خدا کے برگزیدہ بندوں  
رسول و انبیاء پر لگا رکھے ہیں (بلفظ ترجمہ القرآن ص ۱۲۵) تحت قولہ تعالیٰ  
﴿لَا يَتَّخِذُ الْفٰسِقُوْنَ اٰلًا﴾

کاش کہ چکر الہی صاحب محض ای پر کفہ کر لیتے کہ مسئلہ شفاعت ثابت نہیں  
اور یہ صرف اہل حدیث حضرات کی گزارشاتی ہے۔ مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس شفاعت  
کا بھی میں بے شک منکر ہوں۔ کیونکہ یہ عقوبت و عقوبے انصافی و ظلم ہے۔ (انتم ہی بلفظ  
اشاعة القرآن مطبوعہ ۱۳۳۳ھ ص ۷۰)

عقل سے تو غالباً خود چکر الہی صاحب کی عقل فعال مراد ہوگی اور نقل سے بظاہر  
ان کی تانی جی کی عقل مراد ہوگی۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ کی کوئی ایسی نقل سرے سے وجود  
ہی نہیں کہ شفاعت بے انصافی اور ظلم ہے۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔  
اگر چکر الہی صاحب محض اسی پر پس کر دیتے تو بھی آخر ایک حد ہوتی مگر ان  
کا خبث باطن اور نجاست ظہری ان کو کچھ اور بھی کہنے اور کہنے پر مجبور کرتا ہے چنانچہ  
وہ خود اپنے عقول قلم سے لکھتے ہیں :-

غرض کہ شفاعت مردود و محروم کا ہم خیال تک کر نامیت ہی بڑھ کر اعلیٰ درجہ  
و اول نمبر کی خباثت و نجاست ہے۔ (انتم ہی بلفظ ترجمہ القرآن ص ۱۲۵)

دیکھئے کس طرح چکر الہی صاحب نے تمام اہمیت مردود کو اعلیٰ درجہ اور اول نمبر کی  
خبثت اور نجاست کا خطاب دے کر ان کی صریح توفیق و تہلیل کی ہے (العیاذ باللہ)  
اس کا نام ہے قرآن دانی، قرآنی بصیرت اور دعوت قرآنی، جس سے وافر حصہ  
چکر الہی صاحب اور ان کے پیروں احباب کو مرحمت ہوا ہے۔ سچ ہے جیسے روح

دیے فرشتے :-

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا  
① تمام مسلمان براہین قطعیہ کے تحت و عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
و سلم سید المرسلین اور فخر المصلین ہیں، مگر چکر الہی صاحب لاکھوں کوزخات اور غیبت میں  
شمار کرتے ہیں چنانچہ مسلمانوں کے ایک نظریہ پر عقیدہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ :-

یہ اعتقاد دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے پیٹ پر تین تین دن پھر جھوک کے مارے  
باندھے پھرتے تھے اور (معاذ اللہ!) ان کو اس دنیا کے فانی میں مائل جویں بھی اللہ تعالیٰ  
کے اتنے بڑے بڑے خزانوں میں سے مرزوق و مہربوب نہیں ہوتی تھی اور بقا بل اس کے  
مریم کی شان و شوکت یہ ظاہر کرتے ہیں کہ بیٹا عیسیٰ کس نے کہا ہے ہم کو نہ پوچھئے  
مصدقہ اس کو جنت الفردوس کے مہر و جات اور نعمتیں منزل میں اللہ ہو کہ مرزوق و مہربوب  
ہو اگر تیری تمہیں۔ باوجود اس قدر ذلت اور عداوت و توہین و اہانت محترمہ رسول  
اللہ صلوٰۃ علیہ و آلہ و سلم کی طرح سید المرسلین و فخر المصلین و غیرہ وغیرہ۔ اسی قسم کے اور  
بہت سے خرافات و لغویات خطابات بھی سیکھتے رہتے ہیں (بلفظ ترجمہ  
القرآن ص ۱۲۵) تحت قولہ ﴿قَالَ هُوَ مِنْ عَدَا اللّٰہِ﴾

② دلائل قاطعہ اور براہین ماحضہ سے راحت اور عذاب قبر وغیرہ کے مسائل ثابت  
ہیں اور متواتر احادیث کے علاوہ مقلد خطیب نے ہم انگریزوں کا خلق و انکار و عقیدہ۔  
آیات اس پر نقص قطعی ہیں۔ مگر چکر الہی صاحب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

مطلب ہفتم عذاب قبر و سوال نمبر و تفسیر جب یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ  
مرنے کے بعد روح کے لیے بھی بقا نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی یہ دلائل و کتب میں ملنے  
والی ہے کہ انسان کے لیے مرنے کے بعد روز قیامت تک درمیانی زمانہ میں کوئی  
جزاؤ نماز نہیں ہے تو عذاب قبر کا غلط اور ہی گھڑت ہے۔ اصاف ظاہر ہے عذاب

قبر و سوال منکر و نیکر کی بنیاد جھوٹی حدیثوں پر ہے "الواظفہ ترجمۃ القرآن ص ۹۵ پ ۱ تحت قول حاشی اذبح واحد کھ الموت، و مشکہ فی روح الانسان ص ۸۹ از چکڑالوی)

۸) ایصال ثواب کا مسئلہ اہل اسلام کے ہاں ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ ملائکہ مقررین کی مغفرت کی دعائیں، نماز جنازہ کی مشرور عیثیت نیز قرآن کریم کی متعدد دعائیں جو پہلے مسلمانوں کے حق میں کی جاتی ہیں۔ اس کا واضح ثبوت ہے۔ مگر چکڑالوی صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"یہ بیشک میرا اعتقاد ہے کہ مردہ کو بدنی عبادت یا مالی صدقہ وغیرہ کسی چیز کا ثواب نہیں پہنچ سکتا۔" (اشاعۃ القرآن ص ۱۳۲ مطبوعہ سنہ ۱۳۲۰ھ)

چکڑالوی صاحب کو یہ اعتقاد مبارک ہوا اہل اسلام اس کو باطل یقین کرتے ہیں۔

۹) نماز تراویح پر تمام اہل اسلام تاجنوز متفق چلے آئے ہیں۔ لیکن چکڑالوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ نماز تراویح پڑھنا ضلالت ہے اور اس پر ایک مستقل رسالہ بھی انہوں نے لکھا ہے۔ البیان الصریح لاثبات کراہۃ التراویح۔

(اشاعۃ القرآن ص ۱۳۲ مطبوعہ سنہ ۱۳۲۰ھ)

۱۰) قطعی دلائل سے یہ ثابت ہے کہ کبھی کسی رسول اور نبی پر القادری شیطانی کا اثر نہیں ہوا۔ اور خصوصیتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔ مگر چکڑالوی صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"رسول اللہ کی زبان مبارک سے دین کے متعلق یا قرآن شریف نکلتا تھا اور یا سہو اپنے خیالات و قیاسات، جن میں القادری شیطانی موجود ہوتا تھا جن کو خدا تعالیٰ نے منسوخ و مذکور فی القرآن کر کے آپ کی اُن سے بریت کر دی۔"

(ملفظہ اشاعۃ القرآن ص ۱۳۲ مطبوعہ سنہ ۱۳۲۰ھ)

۱۱) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام قولی اور فعلی حدیثیں نیز حضرت

صحابہ کرامؓ سے لے کر تاجنوز تمام مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق رہا ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ اس تکبیر کو تکبیر تحریمہ کہا جاتا ہے۔ مگر عبد اللہ صاحب چکڑالوی کہتے ہیں کہ اللہ اکبر تو کفار مکہ کی تکبیر ہے: (ملفظہ اشاعۃ القرآن ص ۱۳۲) اور شرک کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس کا معنی ہے۔ اللہ سب بڑا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اور بھی الہ ہیں مگر اللہ ان سب سے بڑا ہے۔ لہذا یہ شرک ہوا: لَوْ حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ یہ ہے چکڑالوی صاحب کی قرآنی بصیرت اور منطق۔ بخوار گیر کے اس سہل مسئلہ سے بھی ان کی نگاہ مبارک چوک گئی ہے کہ یہاں اسم تفضیل (اَکْبَرُ) اضافت کے ساتھ مستعمل نہیں ہے بلکہ "من" کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور اصل یوں ہے اَللّٰهُ اَکْبَرُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یعنی اللہ ہر شے سے بڑا ہے۔ یہاں اور اللوں کا ذکر سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ شرک لازم آتا ہے۔ اور یہ نعرہ تکبیر مسلمانوں کا ایک امتیازی نشان سمجھا جاتا تھا اور اب بھی بفضلہ تعالیٰ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن چکڑالوی صاحب اس کو کفار مکہ کی تکبیر اور شرک کا نعرہ کہتے ہیں لَوْ حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

۱۲) قرآن کریم کی نصوص قطعیہ، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے یہ بھٹیہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رتبہ، درجہ اور شان سب نبیوں سے بڑھ کر ہے اور آپ خاتم النبیین اور سید الرسل ہیں مگر چکڑالوی صاحب فِہْمَا ہَاہُتْ اَفْتَدُوْط اور اَنْ اَشِعْ مِلَّةَ اَبْنِ اٰہِیْمْ وغیرہ آیات اور بعض احادیث سے دھوکا کھا کر اور لوگوں کو مغالطہ میں ڈال کر یوں ایک سال کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

آپ نے اپنے مسئلہ قرآن مجید اور بخاری اور صحیح مسند کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبیوں کا سردار لکھا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کو متبع اور مقتدی کل انبیاء کا نمونہ اور ابراہیم سلام علیہ کا خصوصاً لقب مرحمت فرمایا ہے: اھ اشاعۃ القرآن

جلد اول نصیب ماہنامہ ۱۹۳۳ء میں اور اتنی بات چکڑاٹوی صاحب کو معلوم نہ ہو سکی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابراہیم اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کا متبع اور مقتدی نہیں کیا گیا بلکہ ملت ابراہیم اور نبیوں کی ہدایت کا متبع اور مقتدی بنا گیا ہے اور ملت ابراہیم اور نبیوں کی ہدایت منزل من اللہ ہے جس میں اصولی طور پر سب نبی متفق ہے ہیں۔ درجہ اور ترتیب میں آپ کو انبیاء کا متبع اور مقتدی نہیں کیا گیا اور صحابہ میں لکھا ہے کہ:-

”اور پھر آپ نے انھوں میں کا سرور بنا کر اور انبیاء اور رسول کی تختیر اور تہذیب کے لئے وَتَفَرَّقَ بَيْنَ أَحَدِيْن دُسْلِبَ كَاغَرِكِيَا نَسِيْن الْوَدِ لِفَلْفَلَمْ مَكْرَاتِيْ آسَانِ اور سب بات پر چکڑاٹوی صاحب نے غور نہیں کیا کہ یہ عدم تفریق تو بسلاً ہیماں ہے چکڑاٹوی انبیاء اور رسول پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے جو مصداق ہے ذہن و بصر و قسط و قسط و بعض کا باقی درجہ اور فضیلت میں فرق کا ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔ تیسرے پائے کی پہلی ہی آیت اس مسئلہ کو آفتاب نیم ہند کی طرح روشن کرتی ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔

الغرض ایک ہے انبیاء و رسول میں ایمان لانے اور نہ لانے میں تفریق کو نہ یہ اول غیر کاغز ہے اور ایک ہے ترتیب اور فضیلت میں تفریق۔ یہ امر ثابت ہے اور اس کا انکار نہ ہی ہے دینی، الحاد اور زندقہ ہے۔ اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فَذَرْنِ الْاَثَرِيْ مِنَ الْاَثَرِيْ۔ چکڑاٹوی صاحب کی عربی دانی دیکھیے کہ وہ چکڑاٹوی کے اپنے کلام کو چکڑاٹوی

۳۱ قرآن کریم۔ مُنْتَزِعَةٌ مِّنْ اَمَامِ اُمَمٍ کے اتفاق سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکل میں ایک سے زائد (بکریک بحث نمبر ۹) منکوحہ بیویاں تھیں۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِيْكَ وَغَيْرِهَا

چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت قرآن کریم اور حدیث صحیح میں صریح ہے۔ لیکن چکڑاٹوی صاحب ان آیات کی یہود کو شرمائنے والی تحریف کر کے یوں تحریر کرتے ہیں کہ:-

”تَعَدَّ اَزْوَاجَ جَوَالِهَ الْقُرْآنِ (لعنة الله على الكاذبين)۔ کہاں ہے یہ حکم قرآن میں باقی تحریف کا نام قرآن نہیں ہے۔ صفحہ ۱۷۸ میں داخل ہے (معاذ اللہ۔ صفحہ ۱۷۸) جس سے انبیاء اور رسول سلام علیہم اور ان کی اُمت پاک ہے اور ان پر سراسر افتراء اور بہتان ہے:- (بلفظہ اشاعة القرآن جاءوا ما ماہ مئی ۱۹۲۲ء)

ملاحظہ کیا آپ نے کہ چکڑاٹوی صاحب نے کس بے حیائی کے ساتھ تعدد و ازواج کو زنا میں داخل کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر ظلمانہ حملہ کیا ہے۔ (العیاذ باللہ) اور کس طرح اُمتِ سرخوردہ کے ان نیک اور صالح افراد کو زانی بنا لیا ہے۔ جنہوں نے قرآن و حدیث کے دوسرے مسئلہ تعدد و ازواج پر عمل کیا ہے۔ یہ ہے چکڑاٹوی صاحب کی دعوتِ قرآنی اور ان کی جماعت کے افکار و نظریات لَوْ اَحْوَلْ وَاَوْفَوْا اَلْبَالِہُ۔ سچ کہا گیا ہے کہ سہ

گھر میرے رنگ وزیر و موش را دیواں کنند ایں چنین ارکان دولت ملک دیواں کنند ۳۲ سب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بحالتِ بیداری محرابِ جہان پر متفق ہیں مگر چکڑاٹوی صاحب محرابِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بائیں میں لکھتے ہیں کہ:- رَبِّ الْعَالَمِیْنَ نے آپ کو بطور معجزہ (خواب میں کو نسا معجزہ کار فرما ہونا ہے؟ صفحہ ۱۷۸) سخت اندھیری رات میں صرف بحالتِ نیند ہی نیند خواب ہی میں اس غلط زمین کی پرکرائی یعنی المسجد الحرام بیت مکہ سے لے کر مسجد اقصیٰ بیت المقدس تک سب مقامات کو ظاہر باہر طور پر پورا پورا دکھا دیا:- (تفسیر ترجمۃ القرآن بآیات القرآن چار مقامات) چونکہ اس مسئلہ پر ہم نے ایک مستقل رسالہ ضواء السراج فی تحقیق المعداج لکھا ہے اس لیے ہم اس پر یہاں مزید کچھ بحث نہیں کرتے البتہ صرف اتنی یہاں کہنا چاہتے

ہیں کہ لغت کی کس کتاب میں یہ حوالہ ملے گا کہ استسکار کا لفظ خواب میں سیر کرنے پر ہی بولا جاتا ہے اور بیداری میں رات کی رات کی سیر پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا؟ اور نیز خواب کا یہ واقعہ کون سا تعجب خیز تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے "سبحان" کے ساتھ شروع کیا ہے؟ اور یہ کہ لفظ "جسد" محض روح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جسم اور روح دونوں کے لیے متعل نہیں ہے؟ دیکھئے اس کا کیا جواب ملتا ہے؟ مگر یہ

وہ اپنی منزل مقصود تک ہرگز نہ پہنچے گا کہ جو آغاز ہی میں بخود انجام ہو جائے (۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات قرآن کریم میں مذکور ہیں کہ وہ مٹی کے پر بن کر ان میں پھونک مارتے تھے تو باذن اللہ وہ پرندے بن کر اڑ جاتے تھے۔ انھوں کو باذن اللہ مینا کر دیتے تھے۔ پھل بھری والوں کو حکم خداوندی سے اچھا کر دیتے تھے، خدا تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے مگر چچا لوی صاحب کے نزدیک اس کا مطلب ہی غیر سے کچھ اور ہے وہ یہ کہ:-

"جیسے چار مشہور شکاری پرندے باز، باشہ، چرخ، شائیں شکاری پرندے تعلیم و تربیت سے فرماں بردار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردگان ایمان کو تعلیم و تربیت فرمائی اور وہ طبع ہو گئے۔" دیکھئے تفسیر پٹ (ص ۱۶) اور ابراہیم کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ:-

"جسمانی اندھے ہرگز ہرگز مرد نہیں ہو سکتے کیونکہ مرسل انبیاء و اکابر و طبیب جہانی ہمیں بتا کرتے: آگے لکھا ہے کہ "ایمانی انھوں ہی کو صحت یاب اور شفا یاب کیا (محصلہ ص ۱۷، ص ۱۸) اور لکھتے ہیں کہ:-

"انبیاء و مؤمنی اسے جسمانی مردوں کا زندہ کرنا ہرگز ہرگز وہم و خیال تک نہیں ہو سکتا بلکہ خاص ایمانی مردوں ہی کا زندہ کرنا مراد ہے۔" (ص ۱۷) یہ سب کچھ تو چچا لوی صاحب کہہ رہے ہیں مگر یہ عقیدہ حل نہ کیا کہ روحانی

بیماریوں کا علاج تو سبھی انبیاء و مرسل علیہم السلام کرتے رہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ اس میں کیا ہوئی؟ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان ہوئے ہیں اور دیگر انبیاء کو مرسل علیہم السلام کے مذکور نہ ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنا اور جس قدر ظلم نام نہاد اہل قرآن اور مکررین حدیث نے قرآن کریم پر دوا رکھا ہے اس کی نظیر علم و تحقیق کی دنیا میں ناپید ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تحریر چکا لوی صاحب نے کی ہے مثلاً:-

(۱۶) نابراہیم سے فتنہ کی آگ مڑ لی ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح پڑھنے سے مراد یہ لی ہے کہ کیکجبال سے پہاڑی لوگ مراد ہیں اور الطیور سے طیر نامی قوم مراد ہے۔ وادی تیبہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَتَلْتَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْجَبَّ - چچا لوی صاحب نے اس سے مراد یہ لی ہے کہ آپ اپنی جماعت کو پہاڑ کی طرف لے جائیں۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں چشمے بہتے تھے۔ مگر یہ راز حل نہ کیا کہ جب اس قوم کو چالیس سال تک وادی تیبہ سے نکلنا ہی ممنوع تھا تو پھر پانی کے لیے پہاڑوں کی طرف جانے کا کیا سوال؟ مگر ان امور سے چچا لوی صاحب اور ان کی جماعت کو کیا غرض؟ غرض ان کے نظریات تو اپنی جگہ اٹل اور محکم ہیں۔ اور یہ عقیدہ بھی نہ حل کیا کہ فتنہ کی آگ تو تمام انبیاء کو مرسل کے خلاف دشمنوں نے بھڑکائی تھی پھر قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ اِبْرَاهِيمَ کی تخصیص کیا وجہ ہے؟ اور جب ان پر فتنہ کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی تھی تو لامحالہ لوگ ان کے دین کو قبول کر چکے ہوں گے (کیونکہ کفار تو کبھی کسی نبی کے مقابلہ سے نہیں ہاتھ پٹے) پھر حضرت ابراہیم کو ان کی مہم چچا لوی دینی کہہ کر عراق اور بابل کے علاقہ سے ہجرت کمر کے ملک شام جانے کی کیا ضرورت درپیش ہوئی۔ اور کیا پہاڑی لوگوں کی طرف صرف حضرت داؤد علیہ السلام ہی مبعوث ہوئے تھے۔



ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یَلْجِبَالُ اَوْیٰی (کا معجزہ یا) خطاب کیوں وارد نہیں ہوا؟ اور اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تخصیص کی علت کیا ہے؟ حضرات یہ ہے انکارِ حدیث کا شاخسانہ۔

عمل اُن سے ہوا رخصت عقیدوں میں خلل آیا  
کوئی پوچھے کہ اُن کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا

(۲)

## حافظ اسلم صاحب جیہز چوری

حافظ اسلم صاحب بھوپال کے ایک مشہور غیر مقلد عالم مولانا سلامت اللہ صاحب کے فرزند ارجمند اور موجودہ دور میں انکارِ حدیث کے ایک بہت بڑے ستون بلکہ بعض وجوہ سے مرکز ہیں۔ انہیں کے علوم و فنون سے متبع ہو کر جناب پروفیسر صاحب پروان چڑھے ہیں۔

### ۱۔ حدیث پر ہمارا ایمان نہیں

اسلم صاحب حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کے راوی پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں، اُن پر ہمارا ایمان ہے نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح دینی حجت مانیں۔ بلفظہ مقام حدیث جلد اول ص ۱۳۱) مسلمانوں کا تو یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کے سامنے تسلیم و خضوع کر دینا عین ایمان ہے اور بہت سے احکام و مسائل ایسے ہیں جن کا فیصلہ آپؐ نے زمانہ رسالت میں صادر فرمایا۔ اور ایسی تمام جزئیات قرآن کریم میں مذکور نہیں ہیں

اور آپؐ کے برائے ارشاد اور حکم کو جو قرآن کریم میں موجود نہ ہو، مسلمان حدیث کہتے ہیں۔ اور ایسی فحش پر عقلی اور فحش طور پر کوئی معنی بر انصاف اور محسوس دلیل تو آج تک پیش کی گئی ہے اور نہ اقامت پریش کی جاسکتی ہے۔ شوگر کو شہادت، باطل و خرافات اور اوسر کو سر کی باتیں اور غوغا آرائی کا ذکر نہیں کیونکہ وہ تو ابتداء کفر و نیش سے آج تک بدستور چلی آئی ہیں اور قیامت تک ہوتی رہیں گی کیا جناب اسلم صاحب کا قرآن کریم کے اس حکم اور مرجع حکم پر بھی ایمان ہے یا نہیں؟ واللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔

فَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ دَعْوَانِمْ فَتُحْكُمُ لَكُمْ فَمَا تَبِغُوا  
فِي الْقِيَامِ فَمَا تَبِغُوا فَمَا تَبِغُوا فَمَا تَبِغُوا  
وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ دَعْوَانِمْ فَتُحْكُمُ لَكُمْ فَمَا تَبِغُوا  
فِي الْقِيَامِ فَمَا تَبِغُوا فَمَا تَبِغُوا فَمَا تَبِغُوا

(پ ۵۔ النساء۔ ۹۴)

پھر نے دل میں فتنہ بھر محضی محسوس نہ کریں  
اُس فیصلہ کے بلے میں جو آپؐ نے صادر فرمایا

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مُحْكُمُ لَكُمْ فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذلت گرامی کو ہر اختلاف اور نزاع میں حکم اور فیصلہ ماننا حلت اٹھا کر ضروری قرار دیا ہے۔ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم اور فیصلہ کو ماننا اور بلا چون و چرا تسلیم کرنا ایمان نہیں تو اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر کیا کیوں فرمایا ہے؟ اگر آپؐ حکم، حدیث اور ارشاد پر ایمان لانا ضروری نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے حَتَّىٰ يُحْكُمَ لَكُمْ فرمایا کی تعبیر کو چھوڑ کر حَتَّىٰ مُحْكُمُ لَكُمْ کی تعبیر کیوں اختیار فرمائی ہے؟ اور معاً حَتَّىٰ لِقَاؤِہِ کی تعبیر کو ترک کر کے معاً حَتَّىٰ تَرَہُہُ (کہ جو آپؐ فیصلہ صادر فرمائیں) کیوں فرمایا ہے؟ کاش کہ بے ہم دعوت الی القرآن نے قرآن کریم کے اس مرجع اور واضح حکم کو بھی ملاحظہ کر لیتے۔ یہ یاد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو فیصلہ

ہوگا وہ بحیثیت رسول اور نبی ہوگا (کیونکہ اسی آیت سے پہلے مَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ  
الَّذِي فِيهِ اس کی تصریح موجود ہے) اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر اس  
فیصلہ کو جو قرآن کریم میں نہ ہو مسلمان وحشی خبی اور حدیث سے تعبیر کرتے ہیں اور نص قرآنی  
سے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ جذبات ہے کہ منکرین حدیث اغیار باطلہ کو بہانہ  
بنا کر اس آیت کے مروج حکم سے اعراض کریں۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

## ۲۔ لہو الحدیث کی تشریح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَمِنَ الشَّائِسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ  
الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ  
يُخَذِّرُ عَلَيْهِمُ الْآيَةَ (پ، لقمان ص ۱)

اور بعض لوگ وہ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل  
(اور گانے بجانے) کی باتیں تاکہ وہ گمراہ کر  
دیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بن سمجھے۔  
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے بعد رئیس المفسرین  
علی الاطلاق حضرت عبد اللہ بن مسعود حنفیہ طور پر اس آیت کی تفسیر غلامانہ  
بجائے کرتے ہیں اور یہی تفسیر ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ،  
حضرت عکرمہؓ، حضرت معین بن جبیرؓ، حضرت مجاہدؓ، حضرت مکیؓ، حضرت عمرو بن شیبہؓ،  
حضرت علی بن بذیمہؓ اور حضرت حسن بصریؓ وغیرہ سے مروی اور منقول ہے۔ یہ سب حضرات  
تو اس کی تفسیر صرف غلط سے کرتے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۲۴۲) مگر ان  
کے مقابلہ میں حافظ اسلم صاحب اس آیت کی تفسیر لیں کرتے ہیں۔

”اور بعض آدمی وہ ہیں جو حدیث کے مشغلہ کے خریدار ہوتے ہیں تاکہ

لوگوں کو اللہ کی راہ سے بلا علم (یقین) کے بھٹکا دیں اور اُس کو مذاق

بنالیں۔ (مقدم حدیث جلد اول ص ۱۵۰، ص ۱۸۳)

دیکھا اپنے منکرین حدیث کے مفسر کو کہ اس نے کیا شوخ کھلائے ہیں اور خدا  
کی مظلوم کتاب کو تحریف کی کند چھری سے کس طرح ذبح کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔  
قارئین کرام کو یہ یاد ہے کہ اسلم صاحبؒ والدہ رحمہم کے اہل حدیث اور غیر مقلد تھے اور بھوپال کے  
اندھ پنپنے وقت میں حدیث کے مشغلہ کے بڑے خریدار ہو کر ٹھیکیلہ وہی صاحب تھے اور  
تفسیر اسلم صاحب ان کے والد خدا کی راہ سے بھٹکانے والوں اور خدا کے دین کو مذاق  
بنانے والوں میں پیش پیش تھے۔ اور باقی کمر اسلم صاحب نے پوری کر دی۔

پند نہواں کر دہر تر نام کر د

## ۳۔ معراج جسمانی

حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر تاہنوز جملہ اہل اسلام اس عقیدہ پر متفق چلے آئے  
ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ہی رات میں جبریلؑ کی  
ساتھ بیلری کی حالت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے پہلے دو سر  
اور حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک اور پھر پندرہ آسمان تک سیر کرائی۔

قرآن کریم کی اصطلاح میں اسکا اسرار اور احادیث کے رو سے اس واقعہ  
کو واقعہ معراج کہا جاتا ہے۔ جس کے ثبوت پر علاوہ قرآن کریم کے متواتر درجہ کی  
صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ راقم الحروف نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔  
جس کا نام ”ضوء السراج فی تحقیق المعراج“ یعنی چراغ کی روشنی ہے جس میں قرآن  
مجید، احادیث، کتب تفسیر اور دیگر مستند تاریخی کتابوں سے اس کا عقلی اور نقلی  
طور پر اثبات کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں منکرین معراج جسمانی نے جن برائے  
نام دلائل سے استدلال کیا ہے اس کا جواب بھی عرض کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ثابت  
کیا ہے کہ معراج جسمانی کے انکار کی نسبت حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہا  
کی طرف روایت و درایت ہر طرح غلط اور مخدوش ہے مگر مسلمانوں کے اس اجماعی عقیدہ کے

مقابلہ میں بعض دیگر معجزہ کی طرح حافظ اسلم صاحب زیر چھوری بھی تھکوں کھسکا لیتے ہوئے معراج جسمانی جیسے صحیح احادیث سے ثابت شدہ اجماعی عقیدہ کا یوں انکار کرتے ہیں کہ۔

”مگر محققین (مثلاً اسلم صاحب، پرویز صاحب اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی وغیرہ مصنف) زیادہ تر حضرت عائشہؓ اور امیر معاویہؓ کے جنیال میں اس وجہ سے نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قسم کے واقعوں کو قیاس سے عبید سمجھتے ہیں بلکہ جسمانی معراج کے ثبوت میں تاریخی شہادت کی کمی پاتے ہیں۔ اہل اگر آپ ہم سے پوچھیں تو ہم عقین سمجھتے ہیں کہ عالم ملکوت کی سیر اور ملیکات بالاتر جابر خدائی نشانیوں کو دیکھنا جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہی ہو سکتا ہے۔“ (بلفظہ فوائد ص ۱۷)

یہ ہے جناب اسلم صاحب کی علمی تحقیق اور دیانت، کہ جو مسلک قرآن کریم اور متواتر حدیث کی حدیثوں اور ائمہ مرحومہ کے اتفاق عقیدہ سے ثابت ہے اس میں تو وہ تاریخی طور پر کمی پاتے ہیں مگر اسلم صاحب جیسے محققین حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایات کے ہم خیال ہیں۔ لیکن اس کی وہ ذرہ بجز محنت گوارا نہیں کرتے کہ اتنا ہی بتھو دیں کہ وہ روایات کن کن لوگوں میں ہیں۔ ان کی اسانید کیسی ہیں؟ ان کے الفاظ کیا ہے؟ تمام معجزہ حدیث کا یہ فوائد تیرہ وہ ہے کہ اگر کوئی روایت ان کے مفید مطلب ہوتی ہے تو وہ قابل اجماع ہو جاتی ہے اگرچہ اس کی سند سلسلہ الکذب ہی کیوں نہ ہو۔

اور جب ان کی رائے مبارک کسی چیز کو باور نہ کرنا چاہیے تو وہ بخاری و مسلم ہیئت تمام صحاح اور مسانید کی متواتر حدیثوں میں بھی تاریخی شہادت کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ اور مفضل اللہی انشائی پھیلیدہ آدنیۃ اور سورة اللہیم کی آیات سے بھی نظر ثریب چوک جاتی ہے اور ان کی طرف سرے سے دھیان ہی نہیں ہوتا۔ ان کے ان ناپاک تصورات کے قید تحریر میں لانے سے ہماری دعا کا نتیجہ ہے۔ ہاتھ میں قلم لڑتا ہے۔ آنکھیں پونم

ہیں اور معجزہ شوق ہوتا ہے کہ کس طرح یہ اپنی عقل ہمارا کی خود ساختہ زنجیروں میں قید کریم اور احادیث متواترہ سے ثابت شدہ بنیادی عقیدوں کو جھڑپا پاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ان باطل نظریات پر ان کو کچھ شرم محسوس ہو، انشاؤں پر طرہ پرکتے ہیں، ہمارا دعوت۔ لَحَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ مگر بیچا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت مہلات کو کیا سمجھیں۔

مکان و لامکان سے اس کی منزل لڑا گئے ہے  
نہ ہو حیراں ابھی معراج انسان دیکھنے والے!

#### ۴۔ سدة المنتہی

قرآن کریم میں اس کا ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو (یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ کی موت اور تفسیر کے موافق) سدة المنتہی کے پاس پہنچے آتے ہوئے ایک دوسری بار بھی دیکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے لے کر اس وقت تک تمام مسلمان یہی سمجھتے چلے آئے ہیں کہ سدة المنتہی ساتویں آسمان پر پیری کا ایک عجیب و غریب درخت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کے سلسلہ میں اس کا ذکر بھی آتا ہے۔ مگر حافظ اسلم صاحب سدة المنتہی کے اس مخصوص مقام کا یوں انکار کرتے ہیں کہ۔

”اور تاریکوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سدة المنتہی جس کا ذکر قرآن میں معراج کے بیان میں ہے، اس سے علم نبوت کی ابتدائی حد مراد ہے (بلفظہ فوائد ص ۱۷) الحمد للہ کہ اتنی بات کا اقرار تو جناب اسلم صاحب کو بھی ہے کہ سدة المنتہی کا ذکر قرآن کریم میں معراج کے بیان میں ہے اور یہ بات خود زمانہ سال کے متنبی شد کو مسلم ہے کہ قدر حاضر میں جو قرآنی بصیرت علامہ حافظ اسلم صاحب کو ہے

وہ اُن کی جماعت میں اور کسی کو شامل نہیں ہے۔ اور جناب پروردگار صاحب وغیرہ اور حضرت اُن کے خوشتر چین ہی ہیں مگر سوال یہ ہے کہ وہ کون سی تاریخی کُتب ہیں جن میں یہ لکھا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ حسی طور پر ساتویں آسمان پر ایک مخصوص درخت نہیں بلکہ اس سے حقیقی طور پر مراد ہی علم نبوت کی انتہائی حد ہے؟ باقی ادبیانہ رنگ میں اور مجازی طور پر اس کا کوئی منکر نہیں ہے بحث صرف اس سے ہے کہ قرآن کریم اور صحیح احادیث میں معراج کے بیان میں جس سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر ہے، کیا وہ حسی طور پر ایک مخصوص درخت نہیں ہے؟۔ ہے اور یقیناً ہے!

لیکن اسلم صاحب کو معراج جسمانی کے انکار کی کچھ ایسی لگن ہے کہ وہ غیر معراج میں واقع شدہ منزلوں اور اُن کی حدود و تعریفات کو بھی بدلنے سے ہرگز نہیں چوکتے تاکہ معراج جسمانی کے انکار کے تمام رُستے ہموار کئے جاسکیں اور اس کے روحانی تسلیم کرانے میں قہم کی کوئی دشواری ہی باقی نہ رہے مگر یقین جانیے کہ ایسی بے سرو پا باتوں سے کون متاثر ہوتا ہے؟ اور اُن سے بجلا یہ جاندار مسئلے کب حل ہوتے ہیں!۔

حل کیا کرے گا سدا زندگی وہ اب!  
جس کو شعور ناقص و کامل نہیں رہا!

## ۵۔ معجزات

قرآن کریم، متواتر احادیث اور تمام اُمت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علاؤ قرآن کریم کے معجزہ کے اور بھی بے شمار ظاہری اور حسی معجزات عطا فرمائے تھے۔ معراج اور شق القمر کا معجزہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ معراج جسمانی کے اثبات پر ضواء السراج کا مطالعہ کیجئے۔ رہا شق القمر کا معجزہ تو مجرب مفسرین کرام اِفْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَالشَّقُّ الْقَمَرُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شق القمر کا معجزہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر صادر ہوا تھا۔ اختصار کے پیش نظر حضرت

دو حوالوں پر گفتار کی جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر (المتوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ:-  
وقد كان هذا في زمان رسول الله  
شق القمر كما يعجزه آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
صلی اللہ علیہ وسلم كما ورد في  
الحديث المتواتر الصريحة والی  
ان قال: وهذا امر متفق عليه بين  
العلماء ان الشقاق القمر قد وقع  
في زمان النبي صلی اللہ علیہ وسلم  
وانه كان احدی المہجرات الیہا ہرات  
میں واقع ہو چکا ہے اور یہ آپ کے روشن تر  
معجزات میں سے ایک تھا۔  
(تفسیر جلد ۴ ص ۲۱۷)

بعض حضرات و جنہوں نے اپنی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد حسی معجزات کے وقوع اور ظہور پر سیر حاصل بحث کی ہے، کو یہ غلط فہمی واقع ہوتی کہ شق القمر سے انہوں نے قرب قیامت کا انشاق قمر مراد لی ہے اور قبل از وقوع اس کی خبر دینے کو معجزہ پر حمل کیا ہے۔ لیکن یہ اُن کی غلطی ہے کیونکہ قرآن کریم میں لفظ انشقاق جو ماضی کا صیغہ ہے اور تواتر درجہ کی صحیح حدیثیں اور اُمت کا اجماع اس مضموم کو متعین کر دیتا ہے کہ اس سے قیامت کے وقت ہوا انشقاق ہو گا وہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو زمانہ ماضی میں واقع ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے:-  
وقد اجمع المفسرون علی ان المراد فی  
فلك الیة هو الانشقاق الذي كان معجزه  
من النبي صلی اللہ علیہ وسلم والذی  
وقع لیوم القسمة اہ  
(بہ تحقیق تمام مفسرین کرام اس پر متفق ہیں کہ  
اس آیت میں انشقاق سے وہ انشقاق القمر  
مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کا معجزہ تھا۔ نہ وہ انشقاق جس کا وقوع  
قیامت کو ہو گا۔)





ہاں البتہ اس کے ساتھ مسلمان اولوالامر کی اطاعت بھی ضروری ہے بشرطیکہ وہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت پر گامزن ہوں اور ان کی اطاعت رسول کی طرح مستقل نہیں (ورنہ وَأَطِيعُوا أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فرمایا جاتا) بلکہ وہ سابق اطاعت کے ضمن میں لازم ہے۔ بالفاظ دیگر اگر وہ مسلمان ہی نہ ہوں، یا ہوں تو مسلمان لیکن خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کی اطاعت سے برگشتہ ہوں تو پھر ان کی اطاعت کا رستہ سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لَهَا عَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَخْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ یہ تو ہے مسلمانوں کا نظریہ۔ اب آپ اسلم صاحب کا غدیہ ملاحظہ کریں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

”قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد امام وقت یعنی مرکزِ ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت میں موجود تھے، ان کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی (اور یہ امت ہمیشہ آپ ہی کی امت رہے گی۔ کیونکہ آپ کے اوپر ایمان لائی ہے) اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں، زندہ کی فرماں برداری کو۔ رسول کی اطاعت یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے بعد جو کوئی ان کے نام سے کچھ کہے، ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں“ الخ۔

(مقام حدیث، جلد ۱، ص ۱۵۵)

اسلم صاحب کے اس سراسر باطل نظریہ میں چند وجوہ سے کلام ہے۔ اولاً اس لیے کہ کیا خالق کائنات اور علیم و خیر خدا کو امام وقت اور مرکزِ ملت کا نام نہیں آتا تھا۔ اس نے امام وقت اور مرکزِ ملت کی اطاعت کے لیے أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ سے تعبیر کیوں اختیار کی ہے؟ یا اس کو اس کا خوف تھا کہ چونکہ لوگ امام وقت اور مرکزِ ملت کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اس لیے بجائے اس تعبیر کے ان کو خدا و رسول کی اطاعت کی زنجیر میں جکڑو تاکہ لوگ بھی انکار نہ کریں اور خداوندی کام

بھی چل سکے۔ (معاذ اللہ) وثانیاً اگر خدا اور رسول کی اطاعت سے امام وقت اور مرکزِ ملت کی اطاعت مراد ہے تو اَوَّلَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ کا جُزْءِ احکام دینے کی رتبہ قدر کو کیا ضرورت دے پیش آئی؟ کیونکہ امام وقت اور مرکزِ ملت کی اطاعت کا مفہوم تو أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ سے پورا ہو گیا ہے۔ پھر اَوَّلَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ کا پینچر اور پیوند لگانے کی کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے؟ وثالثاً یہ بات تو اسلم صاحب پر بھی مخفی نہ ہوگی کہ خلافت راشدہ کے بعد وہ کون سا امام وقت یا مرکزِ ملت تھا جس کی اطاعت مسلمانوں پر لازم تھی۔ اور اس کی اطاعت کر کے مسلمان خدا اور رسول کی اطاعت کے حکم سے عہدہ براہوئے؟ کیا خلافت راشدہ کے بعد تمام مسلمانوں کی سدی زندگی ہی خدا اور رسول کی اطاعت کے خلاف گزری ہے؟ ورنہ اگر اطاعت صرف زندہ ہی کی ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ کا کوئی مفہوم ہی نہ رہا؟ گویا اس لحاظ سے رسول کی اطاعت کا مفہوم صرف ۲۳ سال زمانہ نبوت تک ہی محدود رہا۔ اور اس کے بعد اس اطاعت کا اصل اُھدا ان رہا۔ وغیرہ۔ اطاعت کے معنی لغت عربی میں فرمانبرداری کردن کے آتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری ہو یا مردہ کی۔ لغت عربی کے دوسے ہرگز نہ ثابت نہیں ہے کہ اطاعت کا لفظ صرف زندہ کی فرمانبرداری پر بولا جاتا ہے اور جو وفات پا گیا ہو۔ اس کی فرمانبرداری طاعت نہیں کہلاتی۔ اگر کسی مقام اور محل پر قرآن اور شواہد سے یہ ثابت ہو جائے کہ طاعت کا لفظ زندہ کی فرمانبرداری پر لایا گیا ہے تو اس سے یہ کیونکر اور کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ لغت عربی میں کہیں بھی ان حضرات کی پیروی اور فرمانبرداری پر طاعت کا لفظ ہی نہیں بولا جاسکا جو وفات پا گئے ہیں؟ یہ اسلم صاحب کی نری خوش فہمی یا محض جہالت ہے۔

حضرت عمرؓ ایک جدام زندہ عورت کے قریب گئے گز رہے جو بیت اللہ کا

اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کی اطاعت و پیروی کرنے والوں پر نظرِ ابتداء (ابتدائی) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السلام کا نام لے کر اور ہفتیہ حضرات کا اجمالی ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں خطاب فرمایا ہے کہ :-

جملہ مذاہب (دین) اشخاص پرستی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی تاریخ  
بنی آدم میں سوائے تفرقہ اندازی، سفک دم اور عداوت پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں  
رہی ہے۔ اس کا مثلاً اسلام کا فریضہ ہے اور یہی روسیوں نے کیا ہے یہی نفی "لا"  
ہے۔ (تراویح ص ۱۱۵)۔ (اسلم جبراجپوری)

روسوں نے جو کچھ کیا، نہ تو اسلام کے لیے کیا اور نہ اسلام کے مطابق کیا۔ پھر اسلام سے اس کے مطابق کیا مطلب؟ نیز وہ لکھتے ہیں کہ:-

”ایک صاحب نے جو قرآن کا عمیق علم رکھتے ہیں اور کسی زمانہ میں روس کے اعلیٰ سیاسی طبقہ سے روشناس ہوئے ہیں، مجھ سے مکہ معظمہ میں بیان کیا کہ انہوں نے مسٹر لینن اور ان کے رفقاء کا رسے کہا کہ تم نے جو شکست و ریخت کی ہے، وہ عین اسلام کے مطابق ہے۔ اس نے کہا کہ مسلمان علماء تو ایسا نہیں کہتے۔ انہوں نے کہا کہ کسی کے کہنے یا نہ کہنے کی کیا بات ہے۔ روسی زبان میں قرآن کا ترجمہ موجود ہے۔ میں آیات خود تم کو دکھا دیتا ہوں۔ جب اُس نے دیکھ لیا تو کہا کہ تعجب ہے کہ پھر مسلمان کیوں ہمارے خلاف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لادینی کی وجہ سے جہاں تم نے باطل شکنی کی ہے اگر حق کا بھی اقرار کر لو تو پھر تم سے بڑھ کر کوئی مسلمان نہیں۔ کیونکہ اسلام کا پیغام صرف یہ ہے کہ ”باہم بھائی بھائی بن جاؤ اور اکیلے اللہ کے بندے“ مگر ابھی وہاں نفی کا بحران ہے، اثبات تک پہنچنے میں نامعلوم کتنا زمانہ لگے گا۔“ (نوادلت)

نہ تو اسلام صرف بھائی بھائی بن جانے کا نام ہے اور نہ محض روسی طرز کی شکست و ریخت کا نام ہے۔ یہ محض اسلم صاحب کی خوش فہمی ہے نیز لکھتے ہیں کہ:-

”اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں سوویت روس میں اہل غلامی اور مسلمانوں پر مظالم ہوتے ہیں لیکن جو لوگ قرآنی زاویہ نگاہ لکھتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب و ضرب، شورش و انقلاب، تغیر و تبدل ہو رہا ہے۔ وہ سب تکمیل دین اور تمام نور کے لیے ہو رہا ہے اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جا رہی ہے کیونکہ انسانیت کو ایک نہ ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازمی ہے۔“ (نوادلت)

یہ وہی روس ہے جس نے مسلمانوں میں بوسینا، ہرزگوینا، سروبا، مانٹی بیگو اور بلغاریہ وغیرہ میں بے گنہ مسلمان ترکوں، ان کی عورتوں اور بچوں کو بھیڑ بکریوں کی

طرح ذبح کیا تھا۔ بچوں کو ان کی ماؤں کی گود سے چھین کر بندوق کے کندوں اور سنگینوں کی نوکوں سے کھل دیا تھا۔ اور بے جان اینٹ اور پتھروں کی طرح نٹھے اور مضموم بچوں کو سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اسی ظالموں، مجرموں اور سفاکوں نے متعدد افراد کو ایک ایک کر کے آگ میں پھینک دیا تھا۔ اُس وقت کے یورپین نامہ نگاروں نے بھی باوجود مسلمانوں کے سخت خلاف ہونے کے یہ بیانات اخبارات (مثلاً کوئٹل گزٹ، جنرل الابیہ، نیوفرائی پریس، اسٹڈرٹ، ڈیٹلی ٹیلیگراف، پانچر اور مارٹنگ پوسٹ وغیرہ) میں شائع کئے۔ کہ خاسکوی کا واسطہ ہے شمار لاشوں سے پٹا پڑا تھا جس گاؤں سے ہم گزے، اسے دیران پایا جہاں مقتولوں اور مذبحوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ان ظالموں نے ترکی سپاہیوں کی لاشوں پر بھی رحم نہ کھایا اور انہیں پتھروں سے کچلا۔ تاکہ ان بہادری شہیدوں کی ہڈیاں تک باقی نہ رہیں۔ اور بہت نیچے اور عمرتیں روسیوں کے ظلم و تعدی اور وحشتانہ بے رحمی کے خوف سے ننگے پاؤں برف کے تودوں پر پر بھاگ بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کرتے رہے مگر آخر عاجز آجالتے اور سسک سسک کر جان دیتے تھے۔ اور جو عمرتیں دیہاتے مارٹیز کی طرف جان بچانے کے لیے بھاگیں تو ان روسی ظالموں کے حیوانی مظالم کے علاوہ بھوک پیاس اور جاڑے کی شدت سے اکثر ہلاک ہو گئیں۔ ان ظالموں کے خون کا ایک ایک قطرہ بزبان حال پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ:-

قریب یا روزِ عشرِ اچھے کا کشتوں کا خون کیونکر جو چہ چہ کی زبانِ خنجر ہو پکارے کا آستیں کا اور مسلمان عورتوں کی عزت ناموس اور عصمت پر ان روسی ظالموں نے جو دہشت گردی کی، ان کے زہرہ گزندہ واقعات اور اندوہ ناک حالات کو پڑھ کر اب بھی غیر مسلمانوں کے دل سینوں میں اچھل رہے ہیں۔ آنسو آنکھوں سے ابل رہے ہیں اور سنگدل سے سنگدل قلوب بھی کچھل رہے ہیں۔

مصطفیٰ کامل مصریؒ کی مشہور تالیف المسائل الشریعہ کا مطالعہ کیجئے اور پھر روسیوں کی بربریت اور مظالم کی دوا دیجئے۔ مگر اسلم صاحب کے نزدیک اور وہ بھی قرآنی زاویہ نگاہ کی روشنی میں روسیوں کی یہ سب کاروائی عین اسلام کے موافق اور کلہ طیبہ کے پہلے حروف لاء کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر اسلم صاحب نے یہ نہ سوچا کہ کلہ طیبہ کے باقی تمام حروف (لا اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ) سے صرف نظر کرتے ہوئے بھی محض اس وحشت اور بربریت اور جیسا سوز مظالم کا نام تو اسلام ہے اور نہ یہ لاء معنوم ہے اگر اسلم صاحب کے نزدیک یہی قرآنی زاویہ نگاہ اور کلہ طیبہ کا معنوم ہے تو یہ انہیں کو مبارک ہو۔ یہ اسلام ہرگز نہیں ہے۔

خوف نہ کہ بھی دیا لالہ تو کیا حاصل دل و نگاہ مٹا نہیں تو کچھ بھی نہیں  
۸۔ موطا امام مالکؒ

اسلم حیراجوری صاحب کہتے ہیں کہ:-

امام مالکؒ کی پیدائش ۹۳ھ میں ہوئی۔ اُن کی کتاب موطا خیر القرون کے عمل متواتر کا دینی کتابوں میں زیادہ اعتماد کے قابل مجموعہ ہے کیونکہ مدینہ منورہ میں رہا اور خلافت راشدہ میں اسلام کا مرکز رہا۔ اس میں علمائے تاریخ کے اندازہ کے مطابق کم و بیش بارہ ہزار صحابہؓ تھے۔ جن میں سے تقریباً دس ہزار وہیں ہے۔ اور وہیں فوت ہوئے۔ بقیدہ دو ہزار دیار و اصصار یعنی عراق و مصر و شام و یمن وغیرہ میں پھیلے۔ اس لیے شریعت کا اصلی اور صحیح ذخیرہ مدینہ ہی میں ہو سکتا تھا۔ یہ خوبی اتفاق ہے کہ آج ہمارے ہاتھوں میں جس قدر دینی کتابیں ہیں ان میں سب سے پہلی کتب جو مدون ہوئی وہ مدینہ میں ہوئی۔ یعنی یہی موطا۔ الخ (مقام حدیث جلد اول۔ ص ۸)

نیز لکھا ہے کہ شارحین کے بیان کے مطابق امام موصوف نے اپنی وفات سے چالیس سال پہلے اس کو مرتب کیا تھا۔ اُن کی وفات ۱۹۸ھ میں ہوئی۔ اس

وجہ سے اس کی تالیف کا زمانہ سترہ سترہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ کتاب چالیس سال تک اُن کے ہاتھوں میں رہی۔ اور اس کا درس وہ اپنے شاگردوں کو دیتے رہے۔ اس کی شرح ندقانی کے مقدمہ میں ہے کہ جب امام موصوف نے اس کو مدون کیا تھا اُس وقت اس میں ۴۰ ہزار حدیثیں تھیں لیکن وہ سال بسال کانٹا چھانٹ کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کے انتقال کے وقت اس میں صرف ایک ہزار روایتیں رہ گئیں۔ (مقام حدیث جلد اول۔ ص ۱۹)

اس کو کہتے ہیں تنکوں کا سہارا کہ موطا امام مالکؒ جیسی اہم اور مشہور و متداول کتاب جس کے بارے میں قدیم و جدید ہزاروں محدثین اور فقہاء اور ائمہ دین نے اس پر کئی بحث کیا اور کسی نے کانٹا چھانٹا اور کثرت بونت کا حوالہ نہیں دیا۔ مگر حیراجوری صاحب اس کی اہمیت کو گھٹانے اور مخدوش کرنے کے لیے ندقانی کے ایک حوالہ کو اپنی سپر لاء ڈھال بنائے بیٹھے ہیں کہ اصل میں اس کی حدیثیں اتنی تھیں مگر آخر میں صرف ایک ہزار روایتیں رہ گئیں۔

روایت اور انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس طرح اسلم صاحب بخدی سلم امام مالکؒ وغیرہ کی بعض روایات پر تنقید کرتے ہیں، اسی طرح علامہ ندقانیؒ کی اس تاریخی روایت کو بھی تاریخ اور عقل کی ترازو میں تول کر دیکھ لیتے کہ آیا یہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ مگر اُن کو اس سے کیا غرض؟ وہ تو بہر حال اس فکر میں ہیں کہ کیسی حدیث کی کوئی کتاب ایسی باقی نہ رہ جائے، جس پر شک و شبہ کا بھر پور حملہ نہ کر دیا جائے۔

## نیاز صاحب فچپوری !

یہ نام اور عنوان اس شخص کے متعلق قائم کیا گیا ہے جو بزرگم خویش قرآن و حدیث اور تاریخ اسلامی پر بڑی گہری نظر رکھتا ہے اور جو اپنی قابلیت اور لیاقت کی بنا پر عربی، انگریزی اور اردو کا نامہ ادیب اور سیلگ ناقد اور بیباک محقق سمجھا جاتا ہے جو من ویزدان وغیرہ معتقد کتابوں کا مولف اور رسالہ نگار کا مدیر ہے۔ جو علماء حق سے اتحاد و زندہ کے مختلف خطابات بھی حاصل کر چکا ہے۔ اس کے نظریات خود اس کی زبانی ملاحظہ کیجئے۔

### ۱۔ اسلامی لٹریچر سے بیزاری

نیاز صاحب کے اسلام سوز اور اخلاقی کش نظریات کا علم جب بعض علماء کرام کو ہوا تو انہوں نے حسب ارشاد نبوی (علیہ الف الف تحییم) الذین النصیحة ان کو راہ راست پر ڈالنے کی کوشش کی اور عام مسلمانوں کو ان کے رومی میلانات سے آگاہ کیا اور جب وہ نہ مانے تو ان کے شدید اصرار پر علماء کی طرف سے ان پر کفر والحاد کا فتویٰ صادر ہوا تو نیاز صاحب ان پر بستے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”یہ تھا وہ سب پہلا فتویٰ کفر والحاد جس نے مجھے یہ سمجھنے پر مجبور کیا کہ اگر لوگوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں۔ اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی رسول و احکام رسول کی نہیں، بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہ کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجے پر نہ پہنچے۔ قصہ مختصر یہ کہ اولین بیزاری اسلامی لٹریچر کی طرف سے

مجھ میں احادیث نے پیدا کی: الخ (بلفظ من ویزدان حصہ اول ص ۵۴)

محمد بن کرام اور فقہاء عظام کی کورانہ تقلید سے قدم باہر رکھ کر اور احادیث سے بیزار ہو کر جو انکشافات نیاز صاحب پر ہوئے ہیں ان میں شے نمونہ از غر وارسے چند یہ ہیں۔ اور ان ہی سے ایک عقلمند اندازہ لگا سکتا ہے کہ نیاز صاحب کا مقام کیا ہے؟ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

”اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے متعلق قرآن کے بتائے ہوئے تصورات، دوزخ و جنت، حشر و نشر وغیرہ عقائد ان سب کا مضمون میرے لیے کچھ سے کچھ ہو گیا ہے کیونکہ اب مجھے نہ صرف یہ عقائد، بلکہ خود مذاہب کا وجود بچوں کا کھیل نظر آنے لگا الخ (بلفظ من ویزدان حصہ اول ص ۵۴)

غور تو کیجئے کہ احادیث رسول کا مضبوط اور مستحکم دامن چھوڑ کر اور محدثین و فقہاء کی تقلید چھوڑ کر کیا نتیجہ برآمد ہوا؟ اور ایسا کرنے کے بعد بھلا اور ہو بھی کیا سکتا تھا؟ عالم اسباب میں اس کا جو ثمرہ نکل سکتا تھا سو وہی نکلا۔

### ۲۔ معجزہ کا عقیدہ

معجزہ کا عقیدہ قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ کے علاوہ تمام آسمانی کتب اور صحافت میں موجود ہے۔ اور کوئی قابل قدر عقلی اور نقلی دلیل اس کے خلاف پیش نہیں کی گئی اور نہ تاقیامت پریش کی جا سکتی ہے۔ البتہ خورے بدرابہانے بے یار کا اس دار فانی میں سے کبھی کوئی علاج ہی نہیں (معجزات کی کچھ بحث راقم الحروف کی کتاب صنوع السراج میں ملاحظہ کیجئے) اور حضرت علی علیہ السلام کے احیاء موتی، ابراہیم و ابرص وغیرہ کے صریح معجزات خود قرآن کریم میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ مگر نیاز صاحب کا عقیدہ اور نظریہ بھی دیکھ لیجئے کہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-



”سبک بڑی واجہہ پرستی جو چشمہ ہے اور بہت سے ادہام کا معجزہ

ہے۔ من ویزدان، حصہ اول۔ ص ۱۹۱)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں طنزیہ طور پر لکھتے ہیں کہ:-  
”اسی طرح مسیح نے بہت سے معجزے پیش کئے لیکن بالکل بے نتیجہ وہی  
مروے جن کو انہوں نے زندہ کیا۔ وہی اندھے جن کو انھیں راہ بنایا اور وہی کوڑھی جنہیں  
چنگا کیا، ان پر ایمان نہ لائے۔ اس کا ثبوت؟ مگر یہ نہ پوچھئے۔ صفدر۔ آپ کو معلوم  
ہے کہ اس کا کیا سبب تھا؟ صرف یہ کہ معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوئے بلکہ یہ سب  
دستاویز ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں۔ (بلفظہ من ویزدان، حصہ اول ص ۱۹۱)

قارئین کرام! بڑے حیران ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ جملہ معجزات  
تو خود قرآن کریم میں مذکور ہیں اور قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب اور اس کا کلام ہے  
پھر اس میں مصنوعی معجزات کے ذکر کرنے کا کیا مطلب؟ تو اس کا جواب خود  
نیا صاحب کی زبانی آگے چل کر معلوم ہو گا کہ قرآن خدا تعالیٰ کا کلام ہے ہی کب؟ (العیاذ باللہ)  
جب قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام ہی نہیں تو پھر اس میں اگر گھڑی ہوئی باتیں ہوں تو کیجئے؟  
۳۔ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے

تمام اہل اسلام ہر زمانہ میں اس کے قائل رہے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ اب بھی اسی  
کے قائل ہیں کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف  
صرف خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ السلام امام الانبیاء خاتم  
النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ مگر نیا صاحب اس کا سختی  
سے انکار کرتے ہیں اور اس عقیدہ کو حد درجہ مضحکہ خیز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-  
”عام مسلمانوں اور مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب  
کے لحاظ سے بہ تمام ماہ سپیل لوح محفوظ میں منقوش موجود تھا اور فرشتہ (جبرائیل) یہی محفوظ

و منقوش کلام رسول اللہ کو اکڑنا تھا اور رسول اللہ انہی آسمانی الفاظ کو دہرا دیتے تھے،  
حد درجہ مضحکہ خیز ہے اگر قرآن کی زبان عربی نہ ہوتی بلکہ کوئی نئی زبان (مثلاً سنسکرت  
یا گورکھی یا انگریزی اور روسی وغیرہ۔ صفدر) ہوتی تو بھی خیر کچھ کہا جاسکتا تھا لیکن جب  
کہ وہ اسی زبان میں نازل ہوا تھا جو عام طور پر عرب میں رائج تھی تو اس کے الفاظ کو  
کیونکر خدائی الفاظ کہا جاسکتا ہے؟ (جیسے نئی زبان میں نازل شدہ قرآن کے بارے  
میں خیر سے جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہاں بھی بالکل ممکن ہے۔ صفدر) بہر حال قرآن  
کو خدا کا کلام اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اس کا ایک ایک نقطہ، ایک ایک لفظ  
خدا کا بتایا ہوا ہے اور خود رسول اللہ کے عقل و دماغ کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا،  
خدا کو اس کے منصب سے گڑا کر انسان کی حد تک کھینچ لانا ہے اور رسول کو سطح ارتقا  
سے بھی نیچے گرا دینا ہے۔ (بلفظہ من ویزدان، حصہ اول ص ۱۹۱)

ملاحظہ کیا آپ نے نیا صاحب کا نظریہ کہ اگر قرآن کریم کا ایک ایک حرف اور ایک  
ایک لفظ منزل من اللہ تسلیم کر لیا جائے تو اس سے خدا تعالیٰ کو انسان کی حد تک کھینچ لانا  
ہے (العیاذ باللہ) اور اگر یہ نہ تسلیم کیا جائے کہ قرآن کریم جناب رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم کی عقل مبارک اور دماغ کا نتیجہ ہے تو آپ کو انسانیت کی سطح سے نیچے گڑا  
دینا ہے (دعاؤ اللہ) مگر اس کی کوئی بھیج اور محمول وجہ نیا صاحب نے بیان نہیں کی  
کہ قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا کلام تسلیم کرنے سے خدا تعالیٰ کس طرح گڑا کر انسان کی حد تک  
آجاتا ہے؟ (العیاذ باللہ) اور وہ بے شمار اور صریح آیات جن میں نہایت وضاحت  
سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم منزل من اللہ ہے۔ ان کا ان کے نزدیک کیا  
مطلب ہے؟ آخر وہ اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام تو تسلیم کرتے ہیں اور  
ان کی عظمت کا بارے نام نہ نہ کر رہے ہیں۔ کیا حضور نے خواہ مخواہ اس کی نسبت  
خدا تعالیٰ کی طرف کر دی؟ اور اس کی بھی کوئی دلیل نہ پیش کی کہ اگر جناب رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا مصنف نہ تسلیم کیا جائے بلکہ خدا تعالیٰ کا سچا رسول اور مبلغ قرآن مانا جائے تو آپ کی انسانیت کیوں محذوش ہو جاتی ہے؟ (العیاذ باللہ) آخر کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔ آخر نیاز صاحب کا کلام ہے بلاوجہ توہرگز نہ ہوگا۔ نیز صاف اور صریح الفاظ میں نیاز صاحب خالق اور خلق سے بے نیاز ہو کر لکھتے ہیں کہ۔  
 "کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربّانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں۔ اور اس مسئلہ پر میں اس سے قبل کئی بار مفصل لکھ چکا ہوں۔ (بلفظہ من ویزدان حصہ دوم، ص ۵۳)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ محدثین اور فقہاء کی ترک تقلید کیا رنگ لائی؟ اور احادیث سے بدگمانی اور بیزاری نے نیاز صاحب کو کہاں پہنچا دیا ہے کہ نہ تو ان کے نزدیک قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور نہ الہام ربّانی، بلکہ ایک انسان کا کلام ہے (العیاذ باللہ) غور کیا آپ نے کہ قرآن و حدیث کا پہلی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر حدیث سے بیزاری ہے تو لا محالہ قرآن کریم سے بیزاری ہوگی۔ اگر صحیح معنوں میں قرآن کریم کو تسلیم کر لیا گیا تو حدیث سے بھی ہرگز استغناء نہیں ہو سکتی۔ اور اندازہ لگایا آپ نے کہ محدثین کرام اور فقہاء عظام کی ترک تقلید اس دنیا میں کیا شوکے کھلاتی ہے اور انسان پر کس طرح رجعت پڑتی ہے؟ اور المؤمن مع من احب اور الخبث فی اللہ وغیرہ حدیثوں سے بیزاری کیا نتیجہ لاتی ہے؟ اللہم! اننا نسئلك حبك وحب من رجبك وحبک اگرچہ نیاز صاحب نے اس ناپاک عقیدہ کے بعد ان کے مزید خرافات پیش کر نیکی ضرورت نہیں مگر تاہم تجلّی بحث کے لیے ان کے مزید باطل سے قارئین کی مع غراشی کرنا ناگزیر ہے۔

۴۔ ثواب و عتاب جنت و دوزخ اور آخرت وغیرہ کوئی شے نہیں

ثواب و عتاب، جنت و دوزخ، حشر و نشر اور قیامت کا عقیدہ ایک ایسا بنیادی

عقیدہ ہے جو تمام سماوی کتب اور صحائف میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ اور تمام نبی اور رسول اصولی باتوں میں ان کو پیش کرتے ہیں اور خداوندی تعلیم نے دانشگاہ الفاظ میں یہ حقیقت پیش کی ہے کہ یہ سب امور حق اور ثابت ہیں اور نری حقیقت ہے، نہ کہ کوئی تغیل و مجازیہ تعبیر و استعارہ۔ مگر نیاز صاحب کا نظریہ بھی سن لیجئے، وہ لکھتے ہیں کہ "الغرض بقا، رُوح اور عذاب و ثواب کا عقیدہ خدا کی بے نیازی اور علم و عقل کو دیکھتے ہوئے ضرورت و مصلحت اور قانون قدرت دونوں کے خلاف ہے اور اس کو تسلیم کرنے کے لیے نہ کوئی ربّانی دلیل پیش کی جاسکتی ہے نہ اخلاقی و علمی۔ بلفظہ من ویزدان حصہ اول ص ۵۳)

اور دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں کہ:-

"ہر چند دوسرے عالم سے حیات بعد المات کا عالم مراد لینا میرے نزدیک درست نہیں اور اس سے مقصود صرف یہ کہنا ہے کہ کوشش کرتے رہو۔ اگر آج نہیں تو کل کامیاب ہو گے" (بلفظہ من ویزدان حصہ دوم، ص ۲۳) نیز لکھتے ہیں کہ:-

"اس میں شک نہیں کہ کلام مجید میں دوزخ و جنت کا بیان اسی طرح کیا گیا ہے جیسے وہ کوئی مادی چیزیں ہوں۔ لیکن اس بیان کو حقیقت سمجھنا سخت غلطی ہے ان میں اکثر جگہ تو مقصود دنیا ہی کی کامیابی و ناکامیابی کو ظاہر کرنا ہے اور یہیں کے نجات و لذت اور شدائد و مصائب کو خاص انداز سے بیان کیا ہے اور کہیں کہیں اگر یہ بیانات حیات بعد الموت سے متعلق ہیں تو صرف بطریق مجاز ہیں اور لوگوں کو سمجھانے کے لیے" (بلفظہ من ویزدان، حصہ دوم ص ۱۳)

۵۔ مذہب کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنے خیال کے مطابق ایک خاص تصور قائم کر کے

نیاز صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”ہر چند خدا کے اس جدید تصور سے انبیاء و رسل صحت مقدسہ، حیا ابجد الموت و ذن و حجت، اطلاق و شیطین، جبر و فخر، عذاب و ثواب ختم ہو جائیں گے یا ان کی کوئی عقلی توجیہ و تاویل کرنا ہوگی، لیکن اس کا کوئی علاج نہیں۔ ہم کو ان مرد و عہد اور خدا، دونوں میں سے ایک کو لینا ہے۔ اور غالباً یہ زیادہ آسان ہوگا کہ خدا کے مقابلہ میں ان معتقدات کو پس پشت ڈال دیا جائے اور بقاء مذہب کی ہلکی سے ہلکی جو صورت ہو سکتی ہے، اُس پر قناعت کی جائے۔ میں اس سے قبل بھی بار بار لکھ چکا ہوں اور اب پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ جب تک مذہب کا وجود باقی ہے۔ دنیا کا امن و سکون خطرہ میں ہے۔“ (من ویتھان حصہ اول ص ۷۷)

یہ ہے جناب نیاز صاحب کے تحقیقی اینق کا تجربے ساحل کہ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے ضروری عقائد کو انہوں نے خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا ہے اور پھر اس منوع و قابل کے بعد ان معتقدات کو پس پشت ڈالنے پر کمر بستہ ہیں اور مذہب کا شارہ بینڈ کر کے اُس کی ہلکی سے ہلکی صورت پر (جو غالباً جیب اور پاکٹ شریف میں سما سکے۔ صفت) قناعت کرنے پر آمادہ ہیں۔ بلکہ تا سعت بر تافت اور غضب بالائے غضب تو یہ ہے کہ نیاز صاحب کے خیال میں (جس کو وہ بار بار لکھ بھی چکے ہیں اور اب دوبارہ اعادہ کئے بغیر انہیں چین ہی نہیں لگاؤ) جب تک مذہب کا وجود باقی ہے دنیا کو کبھی امن و سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا امن و سکون ہی اس امر میں مضمر ہے کہ نئے دین سے مذہب کا وجود ہی مٹ جائے اگر مذہب کا وجود باقی رہا تو دنیا کو کبھی کسی وقت امن و سکون اور چین و آرام نصیب نہیں ہو سکتا۔

اور دوسرے مقام پر نیاز صاحب یوں ارقام کرتے ہیں کہ:-

”بہر حال مذہب کسی زمانہ میں مفید ہوا یا مضر بحالات موجودہ اس کے نقصانات

کھلے ہوئے ہیں اور اس کو ذریعہ نجات قرار دینا حماقت ہے، البتہ اگر ملتوں کا امتیاز مثلیئے کے بعد ذکر نہ کوئی مسلمان و ہندو ہے اور نہ یہودی و عیسائی وغیرہ۔ صفتہ) کوئی ایسا دین رائج کیا جائے جو اپنا نصب العین ماوراء مسجد و مندر قرار دے تو بے شک چل سکتا ہے ورنہ مذاہب کی عراب ختم ہو چکی ہے اور تجربہ نے ان کو بہت ناکامیاب ثابت کیا ہے۔“ (بلفظہ من ویتھان حصہ اول ص ۷۷)

ملاحظہ کیا آپ نے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ کے تمام رسول اور نبی اور اس کی تمام کتابیں اور صحیفے اور سائے نبیوں کی سب امتیں اور حتیٰ کہ امت مسلمہ ہی عقیدہ رکھتی اور بتلاتی آتی ہے کہ ذریعہ نجات صرف آسمانی مذہب ہے۔ اور عبادت خداوندی کا محل عبادت خانے اور مسجد ہے، اور قیامت تک مذہب اسلام بلکہ (نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک) دیگر مذاہب بھی باقی رہیں گے۔ مگر دوسری طرف نیاز صاحب کس جزأت اور دیدہ دلیری سے یہ کہہ رہے ہیں کہ مذہب کی عراب ختم ہو چکی ہے اور ان کے نقصانات بالکل کھلے ہیں بلکہ مذہب کو ذریعہ نجات سمجھنا نری حماقت ہے (العیاذ باللہ) ہاں اگر ان تمام مذاہب کو یکسر مٹا دیا جائے اور اس کے بعد کوئی اور مذہب رائج کیا جائے جس کا تعلق مندر وغیرہ کو کرنا ہی کیا، مسجد سے بھی ہرگز نہ ہو، تو بلاشبہ وہ چل سکتا ہے۔

۱۔ اب خدا کی خدائی جنت کا فر اور محمد ہی قائم کر سکتے ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ کسی صاحب کو شبہ پیدا ہو کہ شاید نیاز صاحب ان موجودہ مذاہب کو مٹانے کے بعد کوئی ایسا مذہب رائج کرنا چاہتے ہوں جس میں بدعتیہ و بے عمل اور بڑے اخلاق والے لوگ ختم ہو کر ان کی جگہ ایمان لانے اور کلمہ پڑھنے کی کوئی شرط ملحوظ ہوگی اور اس مذہب کے حامل کوئی بڑے با ایمان اور با اخلاق اور فرشتہ صفت لوگ ہوں گے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی صحیح معنوں میں بندگی کریں گے اور اس کے ذریعے تقرب

خداوندی کے خواہاں ہوں گے، مگر ہم کیا کریں کہ نیاز صاحب خود خدا تعالیٰ کے عذاب اور عتاب سے (جو اقوام سابقہ پر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے نازل ہوا) مارا تمسخر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:-

”خدا کو آگ برساتے ہوئے، خون اور پیپ پلاتے ہوئے، آتشیں کڑیوں سے سزا دیتے ہوئے بہت زمانہ ہو چکا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ وہ صرف زخموں پر مرہم رکھے۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کو ڈھارس پہنچائے اور بچائے کسی خاص قوم پر لطف کرنے کے (جیسا کہ وہ فرمانبرداروں اور وفا شعاروں پر اور اپنے نبیوں اور رسولوں اور اُن کے ماننے والوں پر کرتا کرتا رہا۔ مصدقہ) وہ تمام بنی نوع انسان کو اپنا ہی بندہ سمجھے اور نجات کا دروازہ بغیر کسی شرط (مثلاً کفر و ایمان وغیرہ۔ مصدقہ) کے سب کے لیے کھول دے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب تک مذاہب کا عقائدی اختلاف دُور نہ ہو خدا کا کوئی ایسا کائناتی قصہ (جو بظاہر نیاز صاحب کے نزدیک کوئی کائناتی راکٹ کی طرح ہے۔ العیاذ باللہ۔ مصدقہ) قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص اختلاف عقائد کو عمل قرار دیتا ہے تو اُسے ملحد و کافر کہا جاتا ہے۔ اس لیے میری رائے میں اب خدا کی خدائی اگر صحیح معنی میں قائم ہو سکتی ہے تو اس کی توقع ہم کو صرف کافروں اور مُحدول ہی سے کرنا چاہیے :- (بلغفہ من ویزواں حصہ اول ص ۵۲۸)

باقی عبارت کو عموماً اور خط کشیدہ عبارت کو ٹھنڈے دل کے ساتھ بار بار پڑھئے کہ نیاز صاحب نے کیا کہا ہے؟ اور ان کے نزدیک اگر تمام مذاہب کے عقائدی اختلاف کو ختم نہ کیا جائے تو خدا کے متعلق صحیح رائے اور کائناتی تصور کب قائم ہو سکتا ہے؟ اگر صحیح معنوں میں بقول نیاز صاحب خدا تعالیٰ کی خدائی قائم ہو سکتی ہے تو وہ صرف کافروں

اور مُحدول ہی سے ہو سکتی ہے اور ایسے لوگ اس دور میں بہت ہیں۔ خصوصیت سے طرقت روسیہ اور کمیونسٹ جنہوں نے آج سے کئی سال پہلے زمین سے مذہب اور آسمان سے خدا کا جنازہ نکال کر اپنی سرحد سے باہر کیا تھا (العیاذ باللہ) اور اب ان کے کائناتی راکٹ نے بھی تو اُن کو باوجود لاکھوں میل کی بلند پر پہنچنے کے اللہ میاں کا کوئی نام نشان اور آواز پتہ نہیں بتایا۔ اگر صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کی خدائی قائم ہو سکتی ہے تو بس انہیں کے ذریعے سے، نہ کہ باقی مذاہب سے جن میں عقلاً و نقلاً ہر لحاظ سے اپنے مستحکم اور ٹھوس دلائل اور براہین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اسلام سب سے پیش پیش اور اب واحد ذریعہ نجات ہے۔ ان سے کب یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ خدا کی خدائی قائم کریں گے یا کبھی کی ہو یا کر سکتے ہوں؟ بخیاں نیاز صاحب سلام سے اکی توقع :-

ایں خیال است و محال است وجہوں

۷۔ مذہب نقصان کیا لازم آتا ہے؟

ان اقتباسات بالا کو پڑھنے والے حضرات بار بار یہ سوچتے ہوں گے اور رہ کر ان کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہو گا کہ معقولات مذہبی نے نیاز صاحب کا کیا بگاڑا ہے کہ وہ سکر سے اُن کے وجود کو ناپید کرنے کا اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ آخر بلاوجہ تو یہ نہ ہو گا۔ لیکن انہوں نے خود اس کی پردہ دردی کر دی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بدول پردہ دردی کے اندرون پردہ کا نظارہ بھی کب ہوتا ہے؟ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ:-

”بعض لوگ کہتے ہیں کہ معقولات مذہبی سے ہم کو کیا نقصان پہنچا ہے اگر ہم دُشمن و جنت، حور و قصور، جن و ملک، معجزہ و خرق عادات وغیرہ پر عقیدہ رکھتے ہیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے جب کہ ان عقائد کا مقصود بھی اصلاح اخلاق ہے۔ بظاہر یہ بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت ان عقائد کے نقصانات:-

حد درجہ ممکن ہیں۔ یہ معتقدات چونکہ یکسر روایات پر مبنی ہیں اور عقل و درایت کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے ان کو صحیح سمجھ لینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا ذہن حقائق کی جستجو سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اسباب و نتائج کے رابطہ کو سمجھنے کی اہلیت ہم میں باقی نہیں رہتی۔ انسان کے تمام قوائی ذہنی مضمحل ہو جاتے ہیں اور ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔ (بلفظہ من ویزدان حصہ اول ص ۳۹۳)

یہ ہیں معتقدات مذہبی کے وہ نقصانات جن سے متاثر ہو کر نیا صاحب نے ان کا شدت سے انکار کیا ہے اور ان عقائد کے حدود درجہ ممکن نقصانات سے گونہ خاصی کی ہے۔ اگر وہ ان عقائد کے قائل اور ان پر کاربند ہوتے جو احادیث اور روایات پر مبنی ہیں تو عقل و درایت کا وہ وافر حصہ جو نیا صاحب کو نصیب ہوا ہے وہ کب نصیب ہو سکتا تھا؟ اور پھر اسباب و نتائج کا رابطہ سمجھنے کی اہلیت ان میں کب باقی رہتی؟ اور ان کا ذہن حقائق کی جستجو میں کیونکر مسرعت اور برق رفتاری کا ثبوت متیا کرتا؟ اور جس ترقی پر وہ احادیث و روایات کے انکار کی وجہ سے پہنچے ہیں وہ اس کے بغیر کس طرح پہنچ سکتے تھے؟ محدثین کرام اور فقہاء عظام کی کوارڈ تقلید کی مضبوط زنجیروں میں جکڑے رہنے کے بعد اور احادیث و روایات کو درست اور صحیح تسلیم کر کے نیا صاحب پر یہ انگشتاں کب ہو سکتے تھے کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔ قیامت، حشر و نشر جنت و دوزخ، ثواب و عتاب، معجزہ و خرق عادات حور و قصور، جن و ملائکہ، صحف مقدسہ اور رسل کا تصور وغیرہ۔ حتیٰ کہ خود مذہب کا وجود ہی کس سے غلط ہے۔ اور جب تک مذہب باقی ہے دنیا کبھی سکھ اور چین کی گٹھڑی نصیب ہی نہیں ہو سکتی۔ بھلا بتائیے تو سہی، ان اسباب و نتائج کے رابطہ کو کس محدث و فقیہ نے سمجھا ہے؟ کیا امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ محدثین سمجھے ہیں یا امام مالک اور امام ابو حنیفہ وغیرہ فقیہ؟ ہے کوئی مرد میدان جو اس تحقیق کو رد کرے؟ اور

نیا صاحب کے اس بر شیر کا جواب ہے؟ جس کو وہ گویا کہ زبان حال سے یوں ادا کر رہے ہیں کہ

پکڑ کر لایا ہوں میں شیر تحقیق  
حم اپنے فیصل معنی کو نکالو

حضرات! آپ نے دیکھا کہ احادیث و روایات کو ترک کرنا اور محدثین و فقہاء پر دینی لحاظ سے اعتماد اور بھروسہ نہ کرنا اور کہ وہم کے لیے ترک تقلید کن کن نتائج پر مشتمل ہے۔ سچ ہے کہ

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ  
آزادی انکار ہے ایلیس کی ایجاد





سے دیگر منافع حاصل کرنے کے علاوہ دانت بھی صاف کئے جاسکتے ہیں اور کوئی اعتدال وجہ نظر نہیں آتی کہ برقی صاحب نے کسی بار سوز کے بالوں کی بنی ہوئی برش سے دانت نہ صاف کئے ہوں اور انسانی تمدن کے اس جزو اعظم اور بہترین حصے سے وہ محروم ہے ہوں؟ آخر انہوں نے اسی تمدن کی دہلیز پر تو تین کو قربان کیا ہے پھر اس اعتدال سے حرام نصیبی کا کیا سوال؟

یہ بزم ہے یاں کو تاہ دستی بیچ محرومی  
جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اُسی گئے

یہ آسان اور واضح وجہ برقی صاحب کو کیوں نہ معلوم ہوئی کہ چونکہ کُلُوا کَامر اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے اور کھانے کے سلسلے میں صرف لَحْمُ الْخَنَازِيرِ آتا ہے اس لیے دیگر ماکول اشیاء کی طرح یہاں بھی صرف گوشت کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ مردار خُونِ خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر از روئے تقرب منزوکے ہوئے جانور تم پر حرام ہیں۔ ان کو میت کھاؤ۔ مگر قرآن کریم کی یہ صحیح فہم و بصیرت تو احادیث اور محدثین و فقہاء اور معتمدین پر اعتماد کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور یہ وہ جہنگ سواد ہے جو برقی صاحب کو کسی قیمت پر نہیں بھاتا۔

۳۔ گرمی میں روزہ کا حکم

صحیح احادیث اور ائمتہ کے صریح اقوال اور ایک تفسیر کی رو سے یہ ثابت ہے کہ ابتدائے اسلام میں تکلیف ہونے کی صورت میں روزہ نہ رکھنے اور اس کے عوض فدیہ دینے کی سب کو اجازت تھی مگر بعد کو ہر ایک کے بارے میں یہ حکم نہ رہا اور ان کے لیے روزہ ضروری قرار دیا گیا اور نص قرآنی ہی سے فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهَادَةَ فَلْيَصُمْهُ کہ جو تم میں سے اس مبارک مہینہ میں موجود ہو تو ضرور روزہ رکھے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ہاں البتہ بوڑھے اور سن رسیدہ ضعیف مرد اور عورتیں اور اسی قسم کے

لاعلاج دائم المرض اس نسخ کے حکم سے تاہنوز سستی ہیں۔ وہ اب بھی فدیہ دے سکتے ہیں۔ اور اگر "قَاطِعُونَ" کی قرأت اور تفسیر ملاحظہ کی جائے یا باب افعال کا ہمزہ کے لیے تسلیم کیا جائے تو نسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس سے صرف بوڑھے اور ضعیف لوگ ہی مراد ہوں گے مگر برقی صاحب بلا کسی تفصیل کے ایک قرأت کو لے کر یوں ارقام کرتے ہیں کہ:-

قَاطِعُونَ سے مراد صرف ضعیف اور سن رسیدہ بوڑھے ہیں اور قَاطِعُونَ سے وہ لوگ جنہیں روزہ تکلیف دیتا ہو۔ خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھے۔ چونکہ گرمیوں کا روزہ تقریباً ہر آدمی کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے اس لیے ہر آدمی فدیہ دے سکتا ہے:- (بلفظ جہانِ دوم)

لیجئے اب تو روزہ سے بھی چھٹی مل گئی۔ فدیہ دے دیجئے اور بڑے شوق سے رمضان المبارک کے دنوں میں لذیذ اور مرغین غذائیں کھا کھا کر خوب فرہ ہو جائے اور روزہ کی اس تکلیف سے نجات حاصل کیجئے اور دعا دیجئے برقی صاحب کو جنہوں نے مسلمانوں کی اس تکلیف کا ازالہ فرمایا۔

راہ نما قوم کے سادہ بھی ہیں پر کار بھی ہیں!

سعی تخریب بھی ہے کوشش تعمیر بھی ہے

۴۔ رام کرشن سقراط اور بدو وغیرہ سب نبی ہیں اور ہر لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتب ہیں قرآن کریم کی نصیحت قطعیہ متواتر احادیث اور تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ رسول اللہ نے اپنی کتب میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے اور یہ بھی منصوص ہے کہ اسلام کے بغیر کوئی مذہب اب خدا تعالیٰ کی رضا جوئی تک پہنچانے کا کفیل نہیں ہے۔ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ اِِسْلَامٍ دِينًا الْاٰیۃِ وَغَيْرِهَا اَیۡتِ اس پر شاہد عدل ہیں اور یہ بھی قطعیات کے ساتھ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے

رتبہ اور درجہ میں اعلیٰ اور افضل میں۔ نہ تو اب تک ان کا کوئی نظیر پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔

مذبح مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ

نہ ہماری بنیم خیال میں، نہ دوکان آئینہ ساز میں

لیکن برق صاحب کی بھی سُننے کہ وہ اہل اسلام پر طنز کرتے ہوئے کیا کچھ لکھتے ہیں۔

مگر شرتیرہ سو برس ہم تو رات و انجیل اور دیگر صحیفہ کی تردید و تحریف پر

تقریر و تحریر کے دریا بہا ہے ہیں رشاد اسی طرح جس طرح برق صاحب نے پی ایچ ڈی

کی ڈگری ملنے پر حق نمک ادا کرتے ہوئے احادیث پر بداعتقاد کی گادریا بکرا کر انگریزوں

کو مسلمان ثابت کر کے اپنا پسینہ بہایا ہے۔ صفحہ ہر قوم کے ہر فرد کو (اور خصوصاً انگریزوں)

کو، اور علی الاخص لیڈیوں کو جن کے اسکول کے اب خیر سے برق صاحب کھیلو میں

انچارج اور میڈیا سٹر ہیں۔ صفحہ کافر و جہنمی قرار دے رہے ہیں۔ اپنے ہر خطبے میں اپنے

رمول (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ صفحہ کو خیر الانبیاء کہہ کر کہ لا تفتق بین

اخذ و متھذ کی صریح خلاف و ضدی کر رہے ہیں۔ (ملاحظہ جہان نوم ۱۳۵)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

”دوسری اقوام کے انبیاء پر ایمان لانا ان کے اسوئے حسنہ پہ چلنا ان کے

مناقب بیان کرنا انہیں ہر لحاظ سے محمد صلعم کا ہم مرتبہ ثابت کرنا اور ان کی تعلیمات

کو تعلیمات قرآن کہنا ہمارا کام تھا۔ لیکن اسے کر رہے ہیں بعض غیر مسلم“ (الجزء ۱۲ ص ۱۲۴)

یعنی مطلب یہ ہوا کہ یہ کام تو مسلمانوں کے کرنے کا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے اور ہر

اعتبار سے دیگر انبیاء کو ام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا ہم مرتبہ ثابت کرتے کہ جیسے آپ خاتم النبیین ہیں، اسی طرح دیگر تمام انبیاء بھی

خاتم النبیین ہیں۔ اور جیسے آپ کو منجانب اللہ قرآن کریم عطا ہوا، اسی طرح تمام

نبیوں کو قرآن مجید ملا ہے۔ اور جیسے آپ تمام انس و جن کے لیے قیامت تک گیلے

نبی اور رسول ہو کر تشریف لائے ہیں بعینہ اسی طرح باقی تمام نبیوں کو بھی تسلیم کیا جائے

مگر شکوہ یہ ہے کہ یہ کام مسلمان نہیں کر رہے بلکہ ان کو بعض غیر مسلم کر رہے ہیں اور قرن بی

یہ ہے کہ خود برق صاحب بھی (اسی گروہ میں شامل ہیں اور دوسری اقوام کے انبیاء

جو برق صاحب کے نزدیک ہر لحاظ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں۔

(العیاذ باللہ) خود ان کی زبانی بعض یہ ہیں :-

”مثلاً موسیٰ و عیسیٰ، ابراہیم و محمد، رام و کرشن، اسقراط و کنفوشس اور زرتشت

و بدھ علیہم السلام“ الخ (ملاحظہ ایک اسلام ۲۵)

گویا اس لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ یہ تو مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ رام و کرشن، اسقراط

و کنفوشس، زرتشت اور بدھ کو نہ صرف یہ کہ قطعی طور پر نبی تسلیم کریں بلکہ ان کو ہر لحاظ

سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم مرتبہ بھی ثابت کریں حتیٰ کہ ختم نبوت وغیرہ وغیرہ

تمام ان لوازمات اور اوصاف میں بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے

دلائل قطعیہ کے ساتھ ثابت ہیں۔ اور ان کی تعلیمات کو بعینہ قرآن کریم کے ہم پلہ و ہم

پایہ تسلیم کریں ورنہ مسلمان اپنا اسلامی کام اور فریضہ چھوڑ کر کیونکر مسلمان بننے اور کھلانے

کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ سچ ہے کہ :-

قوام قوم کا مذہب ہی ہے نہ انہیں

کہاں کی قوم جب اس کا کوئی قوام نہیں

۵۔ ایمان بالرسول نجات کیلئے ضروری نہیں

مگر یہ یاد رہے کہ برق صاحب کے نزدیک انبیاء اور رسول پر ایمان لانا نجات

کے لیے ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان

لے آئے تو وہ مومن اور ناجی ہے۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ :-

اللہ تعالیٰ نے اِمْشُوا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ کو قبولِ اعمال کی بنیاد شرط قرار دیا  
اس میں ایمان بالرسول شامل نہیں ہے (ایک اسلام ص ۴۸)  
یہ وہی برحق صاحب ہیں جنہوں نے دوسری اقوام کے انبیاء پر ایمان لانا  
مسلمانوں کا کام بنایا تھا مگر اب اپنا لکھا بھی بھول گئے ہیں۔ بقول شخصے کہ دروغ محو  
را حافظہ نہ باشد۔ سچ کس لگتا ہے کہ سچ

تمہیں عادت ہے بھول جانے کی!

برحق صاحب نے یہ بات بتانے کی ذرہ بھر زحمت گوارا نہیں کی کہ خدا تعالیٰ  
کے بتائے ہوئے اصولی اور بنیادی عقائد کو تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مؤمن باللہ کیسے ہوگا  
اور قرآن کریم میں دو ستر مقلات پر ایمان باللہ کے ساتھ رسل، ملائکہ اور کتب وغیرہا  
پر ایمان لانے کا جو ذکر ہے وہ کہاں جاتے گا؟ اور اس کا مفہوم اور مطلب کیا ہوگا؟  
جہالت کا پڑا ہے فہم و دانش پر تیر پردہ  
اے کج بحث اتنا بھی کبھی تو نے نہیں سوچا!  
۱۔ ایمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی نجات کے لیے ضروری نہیں ہے۔

نہ صرف یہ کہ باقی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا ہی برحق صاحب کے  
نزدیک قبولِ اعمال کی بنیادی شرط سے خارج ہے بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
سلم پر ایمان لانا بھی ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ فَذَرِكْ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحْكَمُوا  
الْاٰیۃُ وغیرہ صریح آیات کو چھوڑ کر غیر متعلق آیات سے دجن میں اللہ تعالیٰ  
نے یہود و نصاریٰ کو محض اس لیے طاعت کی ہے کہ وہ تورات و انجیل پر باوجود ہونے  
ایمان کے ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ اگر وہ ان پر ایمان لاتے تو لابدی تھا کہ انحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی تسلیم کرتے۔ جن کی خوشخبری تورات میں اور  
بشارت انجیل میں مصرح ہے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، استدلال کرتے ہوئے

برحق صاحب یوں سمجھتے ہیں کہ:-

”ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ آیت فَاٰتَمُوا اَیۡنِیۡکُمْ نِیۡکَ یٰہُوۡدُو  
نصاریٰ کو مشرکہ رحمت سنار ہے۔ یہ لوگ خدا و آخرت پر تو ایمان رکھتے تھے۔ لیکن  
ہمارے حضورؐ کی رسالت کے قابل نہ تھے۔ ممکن ہے کہ ملا میری اس تحریر سے بھرک اٹھے  
اور کہے کہ کوجی یہ زندقہ و ملحد نجات کے لیے ایمان بر محمد (علیہ السلام) کو ضروری نہیں سمجھتا۔  
اجی حضرت مولانا! مجھ پر مست ہستے۔ میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہہ رہا۔

قرآن سنار ہا ہوں۔ اللہ کا فیصلہ پیش کر رہا ہوں۔ الخ (بلفظ ایک اسلام ص ۴۷)

یہ ہے متکبرین حدیث کی قرآنی بصیرت اور قرآنی زاویہ نگاہ جس کی طرف وہ گلے  
پھاڑ چلا کر اور قلم اور انشا کا پورا زور صرف کر کے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ جس میں نہ  
ایمان بالرسول ضروری ہے اور نہ ایمان بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم (العیاذ باللہ)  
سچ فرمایا ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میری اُمت میں اختلاف  
دو نما ہوگا اور ایک ایسا فرقہ پیدا ہوگا جو بات تو اچھی اور معقول کے گامگر پرلے درجے  
کا بدعمل ہوگا۔ وہ قرآن تو پڑھے گا مگر اس کے حلق سے نیچے قرآن نہیں اُترے گا۔ دین  
سے وہ ایسا نکل جائے گا جیسے تیر شکار کو چھید کر آگے نکل جاتا ہے۔ وہ خدا کی ہادی  
مخلوق سے بدتر ہوگا۔

پھر آگے ارشاد فرمایا ہے کہ:-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَلِیۡکُمُ الْکِتٰبُ اللّٰہِ وَلِیۡسَ عَلَیۡکُمُ  
فِیۡ شَیۡءٍ اَلۡیٰدُ وَلَا جُلۡدٌ (۳)  
وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی طرف دعوت  
دینا مگر کتاب اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔  
یقیناً اس زمانہ میں وہ گروہ نام نہاد اہل قرآن کا ہے جو حدیث رسول کا منکر ہے  
لذیب فیہ

۷۔ عیسائی اور یہودی بھی خدا اور رسول کے صحیح پیروکار ہیں

جب ایمان بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نجات کے لیے ضروری نہیں تو دیگر اقوام مومن اور یہود و نصاریٰ خصوصاً کیوں ناری اور جہنمی ہوں؟ اور ان کے اعمال کیوں نیک نہ ہو؟ اور ان کو بھلا کافر اور جہنمی کہنا بھی کس طرح جائز اور صحیح ہو سکتا ہے یہ محض کوئی ہوائی بات نہیں ہے بلکہ برحق صاحب کے بے باک قلم سے صادر شدہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

اسلام کسی زبانی اقرار و مثلاً کلمہ طیبہ وغیرہ صفت کا نام نہیں بلکہ نیکو کا نام ہے۔ اگر ایک عیسائی نیکی کر رہا ہے تو وہ قرآن کے روئے مسلمان ہے رسول و قرآن کا صحیح پیرو وہی ہے، جو نیک ہو۔ نہ کہ وہ جو کلمہ پڑھ کر سائے جہان کی پرچاشیاں کرتا پھرے۔ آپ کے ہاں اسلام چند عہدہ (نہیں بلکہ بہت سے اعمال کا بھی۔ صفت) نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی کا۔ اس لیے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان احکام پر عمل کر رہا ہے خواہ اس پر عیسائیت کا لیل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا۔ نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر (دوسلام ص ۱۹۳)

یہ عقیدہ ابھی تک حل نہیں ہوا کہ وہ کون سی نیکی ہے جو ہو تو نیکی مگر اسلام کے عہدہ اور زبان سے ان کے اقرار سے متصادم ہوتی ہو جس پر یہود و نصاریٰ کا مزن ہو کر قرآن کے روئے مسلمان اور خدا اور اس کے رسول کے صحیح پیرو ہوں۔ اور وہ مسلمان جو دنیا جہان کی پرچاشیاں کرتا ہے اور باوجود مجرم اور گناہ گار ہونے کے اسلامی عہدہ کا اقرار کرتے ہوئے بھی وہ مسلمان ہے بلکہ کافر کہلاتے؟ اور دوسرے مقام پر برحق صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”اور اس لیے یہ کہنا کہ سب عیسائی اور یہودی بلا استثنا کافر و جہنمی ہیں، گناہ ہے (محفظہ جہان نوحہ ۱۳۸)

یہ ہے دعوت الی القرآن کی ایک جھلک کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی کافر اور

جہنمی کہنا گناہ ہے۔

۸۔ گناہ گاروں کے لیے شفاعت نہ ہوگی۔

نصوص قرآنیہ (مثلاً یَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلُهُ۔ طہ۔ ۷۶) اس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جس کو اجازت دی رحمن نے اور پسند کی اس کی بات۔ اور لَا يُمْسِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا (مائدہ ۶۶) نہیں اختیار رکھیں گے لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا رحمن سے وعدہ۔ وغیرہ آیات) اور احادیث متواترہ اور اُمت کے اتفاق سے قیامت کے دن شفاعت کا حق ہونا ثابت ہے جو اپنے اپنے مقام پر ملائکہ، انبیاء اور صلحاء وغیرہ کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت کبریٰ کے بلند رتبہ سے نوازے جائیں گے اور اس شفاعت سے جہاں بعض حالات میں نیک ستغید ہوں گے۔ وہاں بدکاروں اور مجرموں کو بھی بشرطیکہ وہ مومن اور مسلمان ہوں، محروم نہیں رکھا جائیگا۔ لیکن دیگر منکرین حدیث کی طرح برحق صاحب بھی مسلمانوں سے اتنے نالال اور بیزار ہیں کہ اس جہاں میں بھی وہ ان کے لیے شفاعت کا وسیع دروازہ بند کر دینا چاہتے ہیں اور واضح تر الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:-

”مسلمانوں کو یقین ہونا چاہیے کہ بدکاروں، جھوٹوں اور دغا بازوں کی شفاعت کبھی نہیں ہوگی۔ اگر میری اس گزارش پر آپ چین بچیں ہوئے ہیں تو اپنی فیصلہ سنیں:-

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَسَبٍ عِندَ شَفِيعٍ ظالموں کے لیے وہاں کوئی مددگار یا سفارتی یُطَاعُ۔ (مومن- ۱۸)

نہیں ہوگا:- (دور قرآن ص ۲۶۵)

اس مقام پر ظالمین سے مراد سیاق و سباق کے پیش نظر صرف مشرک اور کافر ہیں جیسا کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ سے عیاں ہے اور کافروں اور مشرکوں کے لیے شفاعت کا غیر مفید ہونا نصوص قطعیہ اور صریح سے ثابت ہے۔ اس سے بھلا



گنہگاروں اور مجرموں کے لیے عدم شفاعت کہاں سے نکلی جو اہل توحید میں سے ہوں  
جیسا کہ برقی صاحب کا باطل صریح ہے۔

۹۔ ملا سے نزاع کیوں ہے؟

منکرین حدیث کا اصل مقصد تو انکار حدیث سے صرف یہ ہے کہ چونکہ  
پابندی کی زندگی جو احادیث سے ثابت ہے وہ ان کے لیے ایک نہایت ہی  
تنگ گراں اور دشوار امر ہے اور احادیث کو تسلیم کر لینے کے بعد دین پر اپنی خواہش  
اور مرضی سے گوشت اور پوست چڑھانا کوہ کندن اور کاہ بر آوردن کا مصداق ہے۔ اس  
لیے درمیان کے اس روٹے کو مٹانا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ان کو تکمیل خواہش کے سلسلہ  
میں کوئی دقت پیش نہ آئے اور مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کے لیے کیا دانی  
کرتے ہیں کہ قرآن کا نام ضروریں اور بعض نادان غلط فہمی اور خود فریبی میں مبتلا ہو کر دعوت  
الی القرآن کا خوشامیسل لگا کو متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور اسلام کے بہت سے  
واضح احکام سے تنگ آکر وہ من مانی زندگی بسر کرنے پر راضی اور آمادہ ہیں۔ کیونکہ ان  
کو تو بہت ہی مختصر سا اسلام درکار ہے۔ چنانچہ برقی صاحب لکھتے ہیں کہ:-

ملا سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لا کر بے شمار  
ظواہر کو جھڑو اسلام بنانا چاہتا ہے اور میں قرآن کو پیش کر کے ملت  
کو ان ملائی قیود سے آزاد کرانا چاہتا ہوں:- (ملفوظ و سلام ص ۱۱۱)

غور کیجئے کہ برقی صاحب کیا کہہ گئے ہیں۔ اور انکار حدیث کی علت اور لم اور  
اس کا سبب وہ کس چیز کو قرار دیتے ہیں کہ ملا بے چارہ حدیث کے پیش نظر بہت  
سے ظاہری عبادت اور اعمال، اخلاق، معاملات کو حسب مراتب اسلام کی جزو بناتا  
ہے اور برقی صاحب ان سے اکتائے بیٹھے ہیں۔ وہ بزرگ خود قرآن کو پیش کر کے  
ان ملائی قیود سے رہائی دلو کر اُنہیں مسلمہ پر کرم فرمائی کرتے ہیں اور ان کو ان سلاسل

اور اغلال سے نجات دلاتے ہیں اور قرآن بھی وہی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ نجات  
کے لیے ایمان بالہدیل ضروری نہیں۔ حتیٰ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان  
لانا بھی ضروری نہیں اور کرشن اور بدھ، رام چندر اور زرتشت وغیرہ کو ہر لحاظ سے آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پلہ قرار دینا (العیاذ باللہ) اور موزک بالوں سے تیار کی ہوئی  
برش سے دانت صاف کرنا اور گرمی میں ہر ایک کے لیے روزہ ترک کر کے قدرے دین  
اور یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلمان کہنا اور ان کو جتنی گناہ قرار دینا جتنی کہ بابا گونامک  
کو ولی قرار دینا (جیسا کہ برقی صاحب لکھتے ہیں کہ بابا نامک رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۳۹) کو توبہ کی  
میں پیدا ہوئے:- (ملفوظ ایک سلام ص ۱۹۹ اور ص ۲۰۴) میں لکھا ہے بابا گونامک علیہ الرحمۃ  
اھم غالباً اسی قسم کے ہوں گے وہ چند گنے چنے احکام، جن کا برقی صاحب نے ذکر کیا ہے کہ:-  
"قرآن کے گنے چنے چند سادہ سے احکام کے سوا ہم کسی ہنگامی حکم یا فحی

ہدایت پر ہمیشہ کے لیے قطعی مامور نہیں:- (دو اسلام ص ۱۱۳)

اور یا کچھ وہ احکام ہوں گے جو انبیاء کے مترصافت میں ملتے ہیں بقول برقی  
صاحب:-

"کہ اعمال صالحہ وہ نہیں جن کی تفصیل ملا پیش کرنا ہے بلکہ وہ ہیں جن  
کی تشریح انبیاء کے مترصافت میں ملتی ہے:- (ملفوظ ایک سلام ص ۲۰۹)

ان صحافت میں کون سے اعمال صالحہ ہیں؟ اگر کسی کو شوق ہو تو اقم کی کتاب  
صرف ایک اسلام میں ان کی چند نظریں ملاحظہ کر لے اور پھر برقی صاحب کو کوئی قولی  
تھنہ بھیجے جس سے برقی صاحب کی علمی تحقیقی دلدلوری ہو یہیں وہ کچھ بھرے ہوئے موتی جو برقی صاحب  
کی کتابوں میں چمک اور جھلک رہے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

یہ یاد رہے کہ برقی صاحب کا خاندان نسل بعد نسل ملاحظہ آتا ہے اور پہلے برقی  
صاحب بھی حدیث کو بڑے ادب اور احترام سے دیکھ کر تے تھے۔ چنانچہ بحث

کے ایک موقع پر وہ لکھتے ہیں کہ :-

”حدیث کا نام سن کر میں ڈر گیا اور بحث بند کر دی“ (دوسلام ص ۱۵) اور یہ وہ زمانہ تھا جس میں وہ بقول خود اہل علم کی آباؤی تقلیدیں گرفتار تھے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

”لیکن میرے قلب و نظر پر تقلید کے پیرے بیٹھے ہوئے تھے علم کم تھا اور فہم محدود“ (دوسلام ص ۱۵)

اور پھر جب تقلید کی اس پُرا زخار دلوئی سے انہوں نے قدم باہر رکھا تو پھر ان کی آنکھیں یک بیک روشن ہو گئیں اور وہ تمام مسائل ان پر منکشف ہو گئے جن میں سے بعض کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، جس طرح کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ :-

”میری آنکھیں کھل گئیں۔ اندھی تقلید کی وہ تاریک گھٹائیں جو دماغی طویل پر محیط تھیں، یک بیک چھٹنے لگیں اور اللہ کی سنت جاریہ کے تمام گوشے بے حجاب ہونے لگے“ (دوسلام ص ۱۹)

ناظرین کو ام بعض گوشے سطور بالا میں ملاحظہ کر ہی چکے ہیں اور باقی کا قیاس کن زنگستان من بہار مرا

○  
ڈاکٹر احمد دین صاحب، اکابر کرام (ضلع کوہاٹ)

عمل بالحدیث شرک ہے

اس گروہ کے ایک ڈگن ریکن ڈاکٹر صاحب بھی ہیں، جو حدیث کے سخت مخالف ہیں اور عمل بالحدیث کو شرک قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

”رسول اللہ کے نام پر منسوب کردہ باطل روایات پر عمل کرنا توحید نہیں بلکہ کفر

شرک ہے۔ جو نہایت اولوہ سے اور بڑے غور سے سمجھ کر کیا جاتا ہے اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ مشرک کے لیے کبھی بھی نجات نہیں ہے۔ مشرک ابھی جہنمی ہے۔“ (مقطعہ پیغام توحید ص ۵)

نیز لکھتے ہیں کہ :-

”اور ہم لوگ بھی وحدت الہی حاصل کرتے ہوئے اہل حدیث بنے تھے پھر معلوم ہوا کہ یہاں بجائے وحدت الہی کے وہ شرک ہے جو نہایت کچھ سوچ کر کٹے خود سے کیا جاتا ہے“ (پیام توحید ص ۱۶)

اور پھر ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :-

”کیونکہ کتب صحاح ستہ قطعی طور پر قرآن مجید کے خلاف ہیں“ (ص ۱۶)

تیسرا بالکل واضح ہے کہ جب صحاح ستہ بلا استثناء قطعی طور پر قرآن مجید کے خلاف تو ان میں تمام روایات باطل ٹھہریں اور ان پر عمل کرنا اصل شرک ہے اور یہ تو آپ کو معلوم ہے ہی کہ مشرک ابھی جہنمی ہے۔ اس کو لمحہ بھر کے لیے دوزخ سے ٹھکانا نصیب نہیں ہوگا۔ اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہزار سال سے زیادہ تمام فقہاء و محدثین اور بزرگان دین بلکہ عام مسلمان بھی بعقد وسعت صحاح ستہ پر عمل کرتے رہے ہیں اور اب بھی عمل کرتے ہیں۔ لہذا یہ سب کے سب مشرک اور جہنمی ہیں اور ان کی کبھی بھی نجات نہیں ہو سکے گی (العیاذ باللہ) ہاں اگر جنت کے وارث ہیں اور توحید خالص کے دلدادہ ہیں تو صرف وہ لوگ ہیں جو حدیث کا سر سے انکار کرتے اور اس کو باطل قرار دیتے ہیں۔ لیکن دین و ایمان کتنا سہل اور آسان ہو گیا اور منکر یہ حدیث کا اہمیت مروجہ پر کیسا اور کتنا عظیم احسان ثابت ہو گیا کہ وہ تاقیامت ان کے احسان کے شکریہ سے مُبکدوش نہ ہو سکے (العیاذ باللہ)۔

کے لاکھوں تم اس پیادیں بھی اپنے ہم پر خدا معلوم گرم خشکیں ہوتے تو کی کرتے

نیز ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”ان روایات کے مصنفین کی مثال یہ ہے کہ جس طرح سامری نے **مِنْ أَشْرِكِ الرَّسُولِ** کہہ کر بنی اسرائیل قوم سے پھر طرے کی پستش کروائی تھی اسی طرح ان مذکورہ بالا مصنفین نے قال قال رسول اللہ کہہ کر اس مصنوعی حدیث کی پستش کروائی ہے“ بلفظہ پیغام توحید۔ ص ۷

اور ڈاکٹر صاحب ان مصنفین کے نام مع ان کی سن وفات کے ص ۷ میں لکھ کر ان کے نام یہ بتاتے ہیں:-

”بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی“

اور طویل بحث کے بعد آگے یوں تحریر کرتے ہیں کہ:-

”یہ مذکورہ لوگ صحاح ستہ روایات طوفان کے تیار کرنے والے ہیں، جو مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کے اصل موجب ہیں، جنہوں نے بعد وفات حبیب رسول اللہ کے اٹھائی سو سال کے بعد مختلف فرقوں کی بنیادیں قائم کی ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے امام بنائے جاتے ہیں جو محمد رسول اللہ کے نام کی طرح ہی مانے جاتے ہیں۔ ان اہموں نے اپنی بائبل کی جھوٹی روایات کو اور اپنی ذاتی افتراء کو رسول اللہ کے نام پر لوگوں کو منوائی ہیں“ (بلفظہ پیغام اتحاد بالقرآن، ص ۷)

۴۔ صحاح ستہ کے مؤلفین یہودی لونصرانی تھے (العیاذ باللہ)

ڈاکٹر احمد دین صاحب ان محدثین پر پرستے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

”جناب محمد رسول اللہ اور مومنین نے جس وقت تبلیغ قرآن کی شروع کی تھی تو مخالفین یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار مخالفت کرنے لگے اور ہر طرح سے تبلیغ کو روکتے رہے (الی ان قال) یہ مذکورہ جماعت مخالفین کی ہے۔ جس کی بابت قرآن مجید میں مفصل ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ہے۔ یہی جماعت منافقین کی ترقی

کہتے ہوئے بعد وفات جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کچھ زمانہ گزر جانے کے بعد یہ کتابیں بنا کر اپنے مذہب بائبل کی اشاعت کرنی شروع کر دی“ (بلفظہ پیغام اتحاد بالقرآن ص ۱۲)

۳۔ جن پتوں پر قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔ اُن کو بکری کھا گئی تھی

اور پھر یہ بھی صاف اور صریح الفاظ میں لکھا ہے کہ:-

بائبل کی تمام جھوٹی روایات کو اور اپنی ذاتی افتراء کو بھی عربی میں قال قال رسول اللہ کے نام درج کرنے لگے، اور نہایت میلٹھے طریقے سے قرآن مجید کی کئی کئی ثابت کرنے لگے۔ دیکھو صحاح ستہ میں قرآن مجید کی بابت لکھا ہوا ہے کہ جب قرآن مجید کی سورتیں نازل ہوتی تھیں تو کاغذوں، ٹہلوں، چمڑے، پتھروں اور پتوں پر مختلف جگہ لکھی جاتی تھیں۔ جو پتوں پر آیتیں تھیں وہ مائی عائشہؓ کے سر جانے تھیں وہ بکری کھا گئی تھی“ (بلفظہ پیغام اتحاد بالقرآن ص ۱۲، ص ۱۳)

صحاح ستہ کی پانچ کتابیں تو محدثین کے درمیان متفق علیہا ہیں۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی۔ لیکن چھٹی کتاب کے بارے میں کافی اختلاف ہے کہ وہ کون سی ہے۔ علامہ خطیب بغدادی (المتوفی ۷۲۳ھ) حافظ ابوبکر بن العربی (المتوفی ۵۲۳ھ) اور علامہ اہل مغرب کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ چھٹی کتاب موطا امام مالک ہے۔ اور محدث رزین بن معاویہ العبدی (المتوفی ۵۲۵ھ) امام ابن اثیر (المتوفی ۶۰۶ھ) اور حافظ ابو جعفر الغزالی (المتوفی ۵۰۵ھ) وغیرہ تو اس کی تصریح کرتے ہیں، کہ چھٹی کتاب موطا امام مالک ہے۔ یہ روایت کہ جو پتوں پر آیتیں تھیں وہ مائی عائشہؓ کے سر جانے تھیں، وہ بکری کھا گئی تھی۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور موطا امام مالک میں سے کسی ایک کے اندر موجود نہیں ہے۔ صحاح ستہ پر یہ زہانتان اور افتراء ہے ملاحظہ کیا آپ نے کہ صحاح ستہ پر یہ کتاب بڑا اور صریح جھوٹ ہے۔ جس کا بیڑا ڈاکٹر

احمد دین صاحب اور ان کی جماعت نے عیسائیوں کی تقلید کرتے ہوئے اٹھا رکھا ہے، معززہ حدیث کے نکتہ اور ثبت متقی اور متورع روایت پر بہتان تراشی کرتے ہیں کہ یہ مذکورہ لوگ صحاح ستہ روایات کے طوفان تیار کرنے والے ہیں۔

یہ سب منکرین حدیث کی دانش اور دیانت۔ فواسقا۔ ع  
بریں عقل و دانش بباہر گریست

امام ابو الفضل بن طاہر المقدسی رحمہ اللہ، حافظ ابوالقاسم بن عمار المتوفی ۵۸۱ھ اور محدث عبدالغنی المقدسی المتوفی ۶۸۵ھ کی رائے یہ ہے کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ کے پتے کھانے کا واقعہ صرف ابن ماجہ میں ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کی سند کیسی ہے؟ اور محدثین کے نزدیک اس کا اعتبار کیا ہے؟ قطع نظر اس سے کیا قرآن کریم کی وہ آیتیں جو بتوں پر لکھی گئی تھیں کیا وہ اور کسی کے پاس بھی ہوئی نہ تھیں؟ اور کیا ہزار ہا صحابہ کرام کے سینوں میں وہ محفوظ نہ تھیں؟ اگر بالفرض حضرت عائشہؓ کے پاس نہ تھیں؟ یا اور کسی کو یاد ہی نہ تھیں؟ ایک قول کے موافق ابن ماجہ کے صحاح ستہ میں سے ہونے اور پھر اس میں روایت مذکورہ کے پائے جانے سے یہ کیسے اور کیونکر لازم آیا کہ صحاح ستہ میں یہ روایت موجود ہے۔ کیونکہ صحاح ستہ سے پوری چھ کتابیں مراد ہوتی ہیں صرف ایک کا نام صحاح ستہ نہیں ہے۔ اور ابن ماجہ کے صحاح ستہ میں سے ہونے میں بھی شدید اختلاف ہے، یہ سب تاریخی اور اصولی باتیں ملحوظ رکھ کر اعتراض کرنا سب تھا۔ مگر منکرین حدیث کی بلا سے۔ ان کو تو اسلام کا یہ سارا نظام ہی درہم برہم کرنا منظور ہے وہ اسلام کی مقید زندگی اور عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات کی کوڑی زنجیروں میں نفس امارہ کو کھڑا

لے اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جو کذاب ہے و جال ہو چکے علاوہ یہود و نصاریٰ سے روایتیں لیا کرتا تھا

کب پسند کرتے یا کر سکتے ہیں؟ مگر یہ یاد رہے کہ یہ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاک اپنی فطرت میں نہ لوری ہے نہ ماری ہے ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحاح ستہ کے مصنفین یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کے ترقی کردہ گردہ کا نام ہے۔ جو صرف مخالفت ہی نہیں بلکہ کفار اور منافقین بھی تھے۔ اور جنہوں نے بائبل کو (جو یہودیوں اور عیسائیوں کی مجموعہ کتب کا نام ہے) عربی زبان میں میٹھے میٹھے اور سُریلے الفاظ میں ڈھال کر اور خود اپنی طرف سے افترار جوڑ جوڑ کر قال قال رسول اللہ کے الفاظ میں ادا کر دیا ہے جن کا مقصد دراصل اس کے بغیر اور کچھ نہ تھا کہ اسلام کا نام ہی صفحہ ہستی سے مٹ جائے مگر یہ مسلمانوں کی انتہائی نادانی ہے کہ انہوں نے ان کو امام اور پیشوا سمجھا اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کی طرح ان کو بھی مانا اور تسلیم کیا۔ عام منکرین حدیث عوام کو مغالط میں مبتلا کرنے کے لیے پانے بدارادوں پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ کہا کرتے ہیں کہ صحاح ستہ کی وہ روایات جو قرآن کریم کے مطابق ہیں، وہ صحیح ہیں یا وہ سوانح حیات اور تاریخ کا کام دیتی ہیں اور آپ کے اسوہ حسنہ کے بارے میں ہم ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ڈاکٹر احمد دین صاحب نے بڑی بے باکی سے بلا خوف تردید کے یہ بات کہہ دی ہے اور وہ واد کے مستحق ہیں۔ کیونکہ واقعی انہوں نے صحیح اور دل کی بات کہہ دی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

”اور یہ مذکورہ صحاح ستہ کی باطل روایات نہ حدیث رسول ہیں نہ حکمت نہ تواثر نہ وحی خفی نہ تفسیر نہ سوانح حیات نہ اسوہ حسنہ

یہ سب باؤلی کھانی ہے“ (ملفوظ پیغام توحید ص ۵۸)

دیکھا آپ نے کہ ڈاکٹر صاحب نے لگی لپٹی کے بغیر کس طرح صاف کہہ دیا ہے

اس طائفہ کے دوسرے ارکان کو بھی کم از کم اخلاق کا اتنا ثبوت تو دینا چاہیے کہ  
بیراجھیری کیسے بدوں انڈر کی کہہ ڈالیں تاکہ لوگ مغالطہ آفرینی کا شکار نہ ہوں۔ مگر ان  
سے اس صاف گوئی کی توقع کب؟ وہ تو صاف کہہ دیں گے کہ

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے نامح  
نئی بات کیا آپ فٹ رہے ہیں؟  
ہم گدھا۔ کتا۔ بلی وغیرہ کا حکم

حضرت مقدام بن معدیکرب المتوفی ۸۷ھ سے روایت ہے۔ وہ  
فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

أَلَا إِنَّ أَوْتِيَتِ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ  
مَعَهُ الْيُوشَكُ رَجُلٌ شَبَعًا  
عَلَىٰ أَيْكَتِهِ يَقُولُ عَلَيْكَ هَذَا  
الْقُرْآنُ فَمَا وَجَدْتُ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ  
فَالْحُلُوهُ وَمَا وَجَدْتُ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ  
فَحَرَّمَهُ وَانْ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ  
فَمَا حَرَّمَ اللَّهُ أَلَا لَا يَجِلُّ لَكَو  
الْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ  
مِنَ السَّبَاعِ الْحَدِيثُ  
(مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۹)

خبردار! مجھے قرآن کریم اور اس کی مانند  
(حدیث بھی) اس کے ساتھ ملی ہے۔ خبردار  
قریب ہے کہ کوئی سیرت کم آدمی اپنے پنگ  
پر بیٹھ کر یہ دعوت تمہیں دے گا کہ بس  
تم قرآن ہی کو تسلیم کرو۔ جو اس میں حلال  
ہے اُسی کو حلال سمجھو۔ حالانکہ تم خیال رکھنا  
کہ جس چیز کی حرمت رسول اللہ نے  
بیان کی وہ اسی طرح ہے، جس طرح  
خدا تعالیٰ نے حرام کی ہے، خبردار وہ  
ذرا معقول اور سیرت کم آدمی کہیں تمہارے لیے  
گھر لو گدھا اور کچیلوں کا شکار کرنے والے  
درندے نہ حلال کرے (یاں طبع کہ ان

کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے)

ہماری کمزوروں جانبیں قربان جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دست

گرمی پر جنہوں نے جو کچھ فرمایا اور جن لوگوں کے حق میں فرمایا وہ سو فیصدی پورا ہو  
کر رہا۔ اور بھلا پورا بھی کیوں نہ ہوتا جب کہ فرمانے والے اپنی طرف سے کوئی پیش  
گوئی نہیں فرمایا کرتے تھے۔ تاوقتیکہ وحی کا نزول نہ ہو جاتا تھا۔

یہ صحیح حدیث شریف تو آپ نے ملاحظہ کر ہی لی۔ اب آپ نے ڈاکٹر صاحب  
صاحب کی بھی سینے کر وہ کیا لکھتے ہیں :-

جب کتا، بلی، گدھا، رینڈیر، کنگرو اور افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا کے ہزار ہا  
جاندار کی حلت و حرمت اگر قرآن میں نہیں تو پھر کس کے حکم سے حرام یا حلال کیا  
گیا؟ (بلفظ پیغام توحید ص ۱۲)

ڈاکٹر صاحب! معاف رکھے گا۔ ہماری کیا مجال ہے کہ ہم آپ کیلے  
کتا اور بلی، گدھا اور رینڈیر وغیرہ حرام قرار دیں، بڑے شوق سے تناول کیجئے۔ اور ہفتہ  
کے اندر گوشت پر پابندی کے جو دن ہیں یہ چیزیں تو اس سے بھی مستثنیٰ ہیں مجھے  
کا گوشت لگائے اور بھینس کے گوشت کی مد میں سمجھ لیجئے۔ اور کتا، بکری کے گوشت  
کے ہم پلہ ہو سکتا ہے اور بلی کا گوشت مرغ سے کیا کم ہو سکتا ہے؟ نہ تاغہ اور  
نہ پابندی، کھائیے اور مزے سے کھائیے۔ چونکہ آپ خود ڈاکٹر بھی ہیں اس لیے  
فرہ اور لاغر کا پرکھنا بھی آپ کے باتیں ہاتھ کا کرتب ہے۔

یہ سب پیغام توحید اور دعوت اتحاد بالقرآن کا ایک نادر نمونہ، جو ڈاکٹر

لے دیگر منکرین حدیث کی بھی سینے۔ چنانچہ دورِ حاضر میں فقہ انکار حدیث کا اگلی طلوع ہوا  
لکھتا ہے کہ :- وحی ملی کتنی ہے کہ چار چیزیں (میتہ، دم، لحم خنزیر، ماہل بغیر اللہ) ہیں جنہیں  
خدا نے حرام قرار دیا ہے، لیکن وحی مخفی حرام اور حلال کی طویل فہرستیں مرتب کیے دیتی ہے،  
طلوع اسلام ص ۲۷، ماہ جنوری ۱۹۵۱ء



احمد دین صاحب کی زبانی آپ نے پڑھا اور سن لیا ہے جس کی نشر و اشاعت کے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہے اور حدیث تسلیم کرنے والوں کو وہ شرک قرار دے کر ان پر محضرت کے سبب دروازے بند کر دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہے

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے  
ہے حرم ضعیفی کی سزا مرگ مغبات

⑥

## علامہ مشرقی صاحب

علامہ مشرقی کے عقائد و نظریات، اعمال و اخلاق کی حقیقت بھی اکثر مسلمانوں پر بالکل منکشف ہے اور وہ اس بطلانِ حریت اور ان کی کارگزاریوں سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ بھی عام منکرین حدیث کی طرح اپنی نارسا عقل اور ناقص فراست کے بل بوتے پر قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور حدیث کی پابندیوں کو اپنے دیگر رفقا۔ کلام کی طرح گوارا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں جو جو تحریفات کی ہیں وہ صرف ان ہی کا حصہ ہو سکتی ہیں۔

۱۔ حدیث اور مشرقی صاحب

علامہ صاحب ایک مقام پر بزمِ خودِ قرآن کریم کے فہم کو حدیث سے آزاد کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

و حدیث کے شیدائی اس کی کسی ایک آیت کو صحیح سترے بے

نیاز نہیں سمجھتے (بلفظہ دیبلچہ تذکرہ ص ۲۶)

نیز لکھا ہے کہ:-

”حتیٰ کہ کسی یقینی اور غیر یقینی حدیث کی بھی ضرورت نہیں“ (بلفظہ حضرت تذکرہ ص ۱۱)

اور ایک موقع پر علوم اور فنونِ اسلامی پر برکتیں ہوتے اپنے مآولہ بیمار دل کی بھڑاس یوں نکالتے ہیں کہ:-

”مکیں حدیثاً اور قال قال کلبے سزا لگ ہے“ (بلفظہ دیبلچہ ص ۵۵)  
اور جہتِ عربی میں ایک جگہ لَئِنْ سَمِعْتُمْ اِهَذَا الْقُرْآنَ وَالْغَوَافِیْہِ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:-

بغفہکم واحادیثکم وجہلکم تم اپنی فقہ اور احادیث اور جہالت اور واباطیلکم (بلفظہ ص ۱۲۵)  
باطل روایات کے سبب قرآن کریم کی تعلیم میں شور و غل مچاتے ہو۔

جب احادیث اور فقہ کا وجود ہی ان کے نزدیک قرآن کریم کی تعلیم میں رخنہ اندازی اور شور و غل مچانے کے مترادف ہے اور جب حدیث اور قال قال کا راگ ہی بے سزا ہے۔ حتیٰ کہ غیر یقینی حدیث کی طرح کسی یقینی حدیث کی بھی فہم قرآن اور اس کے اجمال کی تفسیر میں ضرورت نہیں تو کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ اس مبلغ کا سد پر اپنا قیمتی وقت صرف اور ضائع کرے؟ اور اس کو لائقِ اعتنا سمجھے؟ اور جو حضرات اپنی گواہ قدر زندگیاں اس علم کے حصول اور پھر اس کی اشاعت و ترویج کے لیے وقف کرتے ہیں اور اب بھی بفضلِ اللہ کرہے ہیں تو علامہ صاحب نے عوام کی نگاہوں میں انہیں معیوب و معتبور قرار دینے کے لیے ”مولوی کا غلط مذہب“ کے نام سے متعدد رسائل لکھ کر ان کو رسوا کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ تاکہ جب تک مولوی کا وجود اور لوگوں میں اس کی قدر و منزلت باقی ہے تو براہِ راست حدیث اور فقہ اور اسی طرح دیگر اسلامی علوم و فنون پر کلوج اندازی کوہِ کندن اور کاہِ بر آوردن کا مصداق ہے۔ لہذا امانتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس بے باک اور نڈر چوکیدار کو درمیان سے ہٹانے کی

سعی کیوں نہ کی جلتے۔ تاکہ نہ ہے بانس نہ بجے بانسری۔ پھر اسلام پر اپنی مرضی کے مطابق جتنا اور جس طرح دل چاہے، گوشت اور پوست چڑھا دیا جائے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو کافر اور جہنمی اور کافروں کو جنت کا وارث بنا کر جی ٹمک ادا کیا جائے۔ یہ ہے علامہ شرعی وغیرہ کا خاص اسلامی نظریہ، جس کو نقل کرتے وقت دل سیما کی طرح لرزاں اور قلم شلخ نازک کی مانند جنبش کرتا ہے۔ مگر کیا جائے آخر مسلمانوں کو ان کے خیر اندیشوں، اور یہی خواہوں کا پتہ بھی تو بتانا ہے۔

۲۔ آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ کونسا مذہب سچا ہے۔

حدیث کے انکار اور اس سے بظن ہونے کے بعد جو قرہ اور نتیجہ نکل سکتا تھا، علامہ شرعی کو بھی اس سے وافر حصہ ملا ہے۔ چنانچہ ان کے بعض نظریات خود ان کی زبانی درج ذیل ہیں۔ بغور ملاحظہ کریں۔ ایک مقام پر خدا تعالیٰ کی ہستی اور مذہب پر گفتگو کرتے ہوئے وہ دیکھتے ہیں کہ:-

”تو جوت کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آج تک قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کون سا مذہب سچا ہے؟ کونسا شارع کائنات تعالیٰ کے منش کے عین مطابق ہے؟ مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے؟ نہیں بلکہ خود مذہب کیا شے ہے؟ اور اس کا مقصود بالذات بعینہ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اس کے صحیح منش کے متعلق آج تک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی۔“

(ملفوظ دیباچہ ص ۷)

یہ لہجہ میلے نبی کی پیدی باتوں کے طریق ادا کو بے سزا رگ کہنے کا انجام کیا نکلا کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک باوجود دیکھ بھاروں بلکہ لاکھوں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے اور ان پر آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے حتیٰ کہ ”الانبیاء

اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکمل دستور العمل، کامل آئین اور محکم قانون لے کر آئے اور اس پر بھی صدیاں گزر چکی ہیں مگر مشرقی صاحب کے نزدیک ابھی تک نہ کوئی قطعی اور حتمی دلیل خدا تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں قائم کی جاسکی ہے اور نہ مذہب اور اس کے معیار سے متعلق؟ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی پر یہ نگلشف نہیں ہو سکا اور نہ اس کے بارے میں کوئی متفق علیہ دلیل ہی ملی سکی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کیا ہے؟ اس کا صحیح منشاء کیا ہے؟ مذہب کیا ہے؟ اس کے صحیح ہونے کا معیار کیا ہے؟ نہیں بلکہ خود مذہب کیا شے ہے؟

اس عبارت میں علامہ شرعی صاحب نے اہل اسلام کے محسوس اور مستحکم نظریات کو کھوکھلا کرنے کی بے جا سعی کی ہے کہ ابتدائے آفرینش سے تا ہنوز مذہب، اس کے صحیح معیار اور اس کی سچائی کی کوئی حتمی دلیل مہیا نہیں کی جاسکی لہذا مسلمان کس منہ سے اپنے آپ کو سچا کہتے اور کہہ سکتے ہیں؟

۳۔ مؤمن و حقیقت اہل مغرب ہی ہیں

اگر سچے متقی اور صحیح معنوں میں مؤمن ہیں تو صرف اہل یورپ اور انگریز وغیرہ ہی ہیں۔ کیونکہ انہیں کے ہاتھ میں زمام حکومت اور اقتدار ہے۔ وہی صحیفہ کائنات سے متمتع ہو رہے ہیں اور وہی بحر و بر اور فضا پر مستولی ہیں اور جو موصد ہیں وہ حقیقت مشرک اور کافر ہیں اور رب تعالیٰ ہرگز ان کو نہیں بخشے گا۔ کیونکہ نہ تو ان کے پاس سلطنت اور بادشاہت ہے اور نہ مال و زر بلکہ ان کے پاس سفید فام اور حسین مہمیں بھی تو نہیں ہیں پھر ان کی مغفرت کیوں اور کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ علامہ شرعی صاحب لکھتے ہیں کہ:-

والمغربیون هم الذين يؤمنون  
بالقرآن العظيم بعلمهم وعملهم  
اہل مغرب اور یورپ ہی قرآن کریم پر  
علم اور عمل کے لحاظ سے اس وقت ایمان

فی زماننا هذا ولو كره المسلمون  
الموت يموتون ان قال فلا شك  
فی انهم هم المؤمنون -  
(تذکرہ حصہ عربی ص ۸۶)

۴۔ اہل توحید و شرک ہیں اور ان کی کبھی بخشش نہ ہوگی  
علامہ صاحب کا صرف یہی فیصلہ اور فتویٰ نہیں کہ اہل یورپ مومن ہیں بلکہ  
وہ صاف لفظوں میں ارقام کرتے ہیں کہ:-

الموحدون فی ذمۃ المشرکین و  
المشرکون المتعارفون علی الذرائع  
متکونون والرسول شاهد علیہم  
انهم هم المؤمنون  
(تذکرہ حصہ عربی ص ۸۶)

غور کیجئے کہ جس گروہ کے مومن ہونے کی شہادت جناب رسول کریم صلی  
علیہ وسلم دیں کیا اُس کے مومن ہونے میں کوئی کسر یا شبہ باقی رہ سکتا ہے؟ اور  
یہی لوگ "جنت النعم" کے حقیقی وارث ہوں گے، اُسے کلمہ پڑھنے والے اور موحّد  
مسلمان، تو ان کے لیے فتویٰ یہ ہے جو علامہ مشرقی صاحب نے صادر کیا ہے کہ:-

فواللہ ما ربکم لکم بغفور رحیم  
ان هر يغفور الذ للمغربین  
النصراۃ المؤمنین السیدین  
یہ اومون فی زماننا علی جہادہم  
بالسیف والذ نفس لیکھتوا یدہی

خدا تعالیٰ کی قسم! تمہیں اللہ تعالیٰ ہر گز نہ  
بخشنے کا اور نہ تم پر مہربانی کئے گا وہ تو صرف  
مغرب کے سنے والے عیسائیوں کو بخشنے کا  
اور ان پر رحم کرے گا جو درحقیقت مومن ہیں  
اور پہلے زمانہ میں وہی تو آخر تلوار اور

الاعداء عنہم  
(تذکرہ حصہ عربی ص ۸۶)

مفتیان دین جب فتویٰ صادر کرتے ہیں تو اپنی دانست کے مطابق قیآن  
وسنت اور فتنے کے دلائل باحوالہ ذکر کرنے کے بعد واللہ اعلم بالصواب، لکھ دیا  
کرتے ہیں اور قطعی طور پر اور خصوصاً قسم اٹھا کر کسی فتویٰ کا صادر کرنا تو ان کے بس کا  
روگ ہی نہیں مگر یہ فتویٰ شریعت ہی حلفیہ بیان سے ہوتا ہے۔ لہذا اس کے معتبر اور مستند  
ہونے میں کیا کمی اور خامی رہ سکتی ہے؟

مسلمانوں اور موحّدوں کو اب تو یقیناً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کی بنیاد اور  
بفتوائے علامہ مشرقی ہرگز اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں کرے گا (العیاذ باللہ) مغفرت  
اور بخشش تو صرف اہل مغرب اور خصوصیت سے نصرانیوں اور عیسائیوں کے  
لیے الاٹ ہو چکی ہے۔ اس میں ان کا کوئی شریک نہیں کیونکہ وہی تو آخر مومن اور  
عہدہ ہیں۔ کبھی تو انہوں نے عربوں کے خلاف تیر اور تلوار اور توپ و تفنگ لے  
کر جہاد کیا ہے۔ اور کبھی مصریوں اور ترکوں پر گولہ باری کی ہے۔ کبھی افغانوں اور  
قبائلیوں پر بمباری کی بوجھاڑ کی ہے اور کبھی دہلی کے مسلمان بادشاہوں کے سامنے  
ان کے فرزندوں کے سر کاٹ کر تھالیوں میں رکھ کر ان کے سامنے پیش کئے  
ہیں کبھی علماء حق کو تختہ دار پر لٹکایا ہے اور کبھی اہل دل مسلمانوں کو کال کوٹھڑیوں  
میں مقید کیا ہے۔ اگر یہ عید مائی اور نصرانی مومن نہیں اور اگر ان کے لیے مغفرت اور  
بخشش نہیں اور اگر یہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے صحیح و فادار اور جنت کے  
وارث نہیں تو بتائیے کہ اس دنیا میں اور کون ان اوصاف کا اہل اور مستحق ہو سکتا ہے؟  
چونکہ اسی قسم کا عمل علامہ صاحب کے نزدیک عبادت ہے لہذا یہی قوم

خدا تعالیٰ کی عابد ہوگی اگرچہ زبان سے وہ دس ہزار خدا ہی کیوں نہ مانتی ہو چنانچہ لکھا ہے کہ :-

”اگر خدا معبود ہے تو وہ قوم موصد ہے اگرچہ رسما بہتروں کو کیوں نہ پہنچ رہی ہو یا تو لاشاً کو تین یا دس یا دس ہزار کہہ رہی ہو۔“ (ملفوظ دیباچہ ص ۹۹)

۵۔ جملہ کلمہ گو جنہی ہیں

سب کلمہ پڑھنے والے مختلف فرقے (جن میں یقیناً اہل حق بھی ہیں) تو ان سے متعلق علامہ صاحب کا فیصلہ یہ ہے کہ :-

”شیعہ اور سنی، حنفی اور شافعی، مقلد اور غیر مقلد، صوفی اور وہابی وغیرہ میرے نزدیک کچھ شے نہیں۔ یہ سب جہنم کی تیاری ہے، خود کشی اور استہلاک ہے موت کے ساتھ لہو و لعب ہے۔“ (ملفوظ دیباچہ ص ۶۰)

ہے کوئی ایسا اسلامی فرقہ جو اصولاً سنی اور شیعہ یا مقلد اور غیر مقلد کے مضمون سے خارج ہو۔ مگر چونکہ علامہ صاحب ان میں سے کسی کو جنت میں داخل نہیں ہونے دیں گے اس لیے وغیرہ وغیرہ کا جملہ بڑھا کر ان سب کو اس لڑی میں پر د کر ان کو بھی جہنم کا ٹکٹ دے دیا ہے اور صوفی اور وہابی وغیرہ کی شب خیزیاں اور ابتداع سنت کا جذبہ، تصوف کی ضربیں اور مسئلہ آئین وغیرہ سب کچھ خودی اور موت کے مترادف قرار دیا ہے اور ایک مقام پر علامہ صاحب صریح میں آکر فریہ طور پر لیں لکھتے ہیں کہ :-

”اس مختصر فاتحہ کتاب کے اندر حتیٰ الاسکان ابھی سب بھی دے دی ہے

ایک ناقابل رد حجت کو قرآن عظیم سے لے کر تاویل کی فریب کاری اور

عقائد کی بد معاشی کو جڑ سے اکھیڑ دیا ہے۔“ (ملفوظ دیباچہ ص ۶۱)

یہ ہے انکار حدیث اور اس سے بدلتی کائنات کہ بلا استثناء تمام عقائد معض

بد معاشی نظر آتے ہیں اور علامہ صاحب برہم خود ان کو جڑ سے اکھاڑ کر سزاوار حد تک قرار پائے ہیں اور بات بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ کیونکہ جب تک یہ عقائد نہیں گے اس وقت تک لوگ مشرقی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی باتوں پر کب یقین کر سکتے ہیں۔

۶۔ معجزات انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق؟

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور خوارق کے بارے میں مشرقی صاحب طنزیہ طور پر گورہ افشانی کرتے ہیں کہ :-

”انبیاء کو عجیب و غریب کرامات کا عالم قرار دے کر ان کو تماشا گر اور جادو باز سمجھنا ہی اُس تذکیر و اعتبار، اس تفکر و تدبر کے مترادف تھا جس کی تلقین کلام الہی نے کی تھی؟“ (ملفوظ مقدمہ ص ۸۵)

دیکھا آپ نے کہ علامہ مشرقی صاحب نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاک اور معصوم گردہ کو کس طائفہ اور ٹولہ سے تشبیہ دی ہے؟ اور ان کے معجزات اور خوارق کے ساتھ کیا تمسخر کیا ہے؟

۷۔ متفرقات

اس کے علاوہ بھی علامہ صاحب نے بہت کچھ کہا ہے مثلاً عربی کے ص ۵۶ پر تم اٹھا کر کہتے ہیں۔ اسلام کے ارکان وہ پانچ نہیں، جن کو تم ارکان کہتے ہو یعنی کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ بلکہ وہ تو دس ہیں اور پھر آگے اپنی اختراع سے ان کو بیان کیا ہے اور حوروں سے مراد ان کے نزدیک سفید فام میمیں اور لیٹیاں ہیں جو مسلمان رؤساء کے نکاح میں آتی ہیں۔

(حاشیہ عدنی ص ۱۱)

اور لکھا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کی آمد کی بشارت سننے والی

تمام حدیثیں جعلی ہیں۔“ (حصہ عربی ص ۵)

اور جنات سے مراد مولوی اور پیر ہیں جو جڑوں میں چھپے بہتے ہیں۔ (حصہ عربی ص ۱۵)  
 ”اور لکھتے ہیں کہ اکثر فرشتے عیسائیوں اور اہل یورپ کو سجدہ کرتے ہیں“ (حصہ عربی ص ۲۶)  
 نیز لکھتے ہیں کہ ”حضرت علی علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔“ (حاشیہ دریا چر ص ۱)  
 اور تحریر کیا ہے کہ ”منافقین عرب پر درود بھیجنے کا حکم رسول خدا کو دیا گیا تھا۔“  
 (حاشیہ تذکرہ ص ۳۲)

اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ میں فلاح کا مطلب اخروی نجات لینا ہے معنی ہے: (حاشیہ تذکرہ ص ۳۵)

• نمازیں اہمیت کے بعد دوسروں میں آپ نہ پڑھتے تھے: حاشیہ تذکرہ ص ۲۶  
 ”پہلے صراط سے مراد یہ تھیں کہ مال سے باریک اور تلوار سے تیز ایک پہل بولگمیا  
 کہ تم جو اس کھتے ہو بلکہ اس سے مراد صرف عمل ہے:“ (حصہ عربی ص ۱۲۹)  
 و جنت سے مراد زمین کی بادشاہت ہے: (حاشیہ تذکرہ ص ۱۱۶)  
 اسی طرح ایمان و کفر، ظلم و فسق، اطاعت و اتباع، عبادت و صلاح اور تقویٰ  
 و طہارت وغیرہ کی تمام اسلامی اور شرعی اصطلاحات کو علامہ صاحب نے بدل ڈالا  
 ہے (مثلاً دیکھئے ص ۱۲۸ وغیرہ)

یہ اور اسی قسم کے اور بیسیوں خرافات سے علامہ مشرقی صاحب کا تذکرہ اٹا  
 اور بھرا پڑا ہے۔ ہمارا مقصود تمام ایسی عبارات کا استیعاب نہیں ہے۔ ایک  
 عقل مند کے لیے یہی عبارات کافی ہیں۔

میں ختم مرنے والوں کا راسخ است

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ کیا کہ انکارِ حدیث کے بعد انسان گمراہی اور الحاد  
 کی کس وادی میں سر مارتا پھر رہا ہے؟ اور کیا اس کے لیے کوئی بندش باقی رہ جاتی

ہے جس کو توڑنے کے لیے وہ برسرِ بیکار نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث  
 کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حدیث کی تکذیب قرآن کی تکذیب کو لازم ہے اور  
 صحیح معنی میں قرآن کریم کو تسلیم کرنا حدیث کے تسلیم کرنے کو مستلزم ہے۔

علم منکرین حدیث دینی اور روحانی بصیرت کھو چکنے کے بعد یا تو ان کا تعلق  
 سمجھتے ہی نہیں یا اگر سمجھتے ہیں تو زبان اور قلم سے اس کا اقرار نہیں کرتے اور یہ ان کی  
 بے حد اخلاقی کمزوری ہے۔ مگر علامہ مشرقی صاحب زندہ دل اور نڈر انسان ہیں۔  
 وہ ان مصنوعی پردہ پوشیوں کے قابل نہیں ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں، بر ملا کہتے ہیں۔  
 ان کی اس جرأت، دلیری، صاف گوئی اور عسکری تنظیم سے متاثر ہو کر تھوڑے سے عرصہ  
 میں بہت سے سادہ لوح نوجوان ان کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے اور شریعت  
 حق کے ظاہری پاسانوں اور بقول ان کے ملائوں کے مقابل میں سینہ سپر ہو گئے تھے  
 مگر جس کو خدا رکھے اس کو کون چکھے۔ بقول شخصے۔

نو خدا ہے کھڑکی حرکت پر خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جلے گا

۸۔ پیٹ کی خاطر قرآن کی تکذیب کرتے ہیں۔

آخر جو نتیجہ نکلا وہ مسلمانانِ پاکستان سے مخفی نہیں ہے۔ خود علامہ صاحب  
 لکھتے ہیں کہ:-

انظر لنفسی لیلاً ونهاراً ولعیاد	میں اپنے نفس کے لیے شب و روز ظلم کرتا
النجیل بکرة واصیلاً لدرزقی	رہتا ہوں اور صبح و شام اپنی تجواہ کے
ولا اعبد ربی لیزقنی من لدنہ	لیے انگریز کی پرستش کرتا ہوں اور میں
واکذب الفقران یوماً فیوماً	اپنے رب کی عبادت نہیں کرتا اگر وہ
ولا استطیع ان ادا و علی التوحید	مجھے اپنی طرف سے رزق عطا فرمائے

بل اضع لنفسی مکراً بعد مکرو اور میں دن بدن قرآن کریم کی تکذیب کرتا  
اسارع الی الشرک کذاً بعد مکرہ رہتا ہوں۔ اور میں توحید پر ملامت کی طاقت  
فلا تنظروا الی بل انظروا الی نہیں دیکھتا بلکہ اپنے نفس کے لیے مکر پر مکر  
مما اقول الخ کہتے جاتا ہوں اور بڑی سرعت سے بارشِ شرک  
(حصہ عربی ص ۱۱۱) میں مبتلا ہو جاتا ہوں سو تم مجھے نہ دیکھو بلکہ

میں جو کچھ کہتا ہوں اُسے دیکھو!

علامہ صاحب نے کس طرح صاف گوئی سے کام لیا ہے اور پیٹ  
کی کہہ ڈالی ہے اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ حدیث سے انکار کرنے کے  
بعد انسان کا قدم کہیں نہیں ٹپکتا۔ اور وہ شب و روز پیٹ کے لیے انگیر پیسی  
شاطر اور مکار قوم کی عبادت اور پرستش بھی کرتا رہتا ہے اور اس کی ساری زندگی  
بھی مکاری اور جلد جوتی میں بسر ہو جاتی ہے۔ اور وہ توحیدِ خالص پر بھی ثابت قدم  
نہیں رہ سکتا اور شرک و کفر، الحاد و زندقہ کے دلدل میں کچھ ایسا الجھ کر رہ جاتا ہے  
کہ اُس کے لیے دہاں سے نکلنا امر محال ہو جاتا ہے۔ ہم نے مشرقی صاحب  
کی شخصیت بھی دیکھی ہے اور ان کی باتیں بھی سنی ہیں۔ جن کے سامنے اپنی باطل  
لئے اور نفسانی خواہشات کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر صد افسوس ہے کہ  
وہ دوسروں کو مشرک اور جہنمی قرار دیتے ہیں اور گھر کی خبر تک نہیں لیتے۔ آہ۔

نہیں ہے دہریت کیا بندہ حرص و ہوا ہونا

قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دہریت ہونے

زباں سے مگر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل

بنیالہ ہے بُت پندار کو اپنا خدا تو نے

(۷)

## چودھری غلام احمد صاحب پریز

چودھری صاحب خود بھی اور اُن کی جماعت بھی اس کھلی ہوئی غلط فہمی میں  
مبتلا ہیں کہ دُورِ حاضر میں حافظِ اسلم صاحب جیرا چوری کے بعد پریز صاحب کی  
طرح قرآنی بصیرت اور اس میں غور و فکر کا محکمہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے اور حقیقت  
یہ ہے کہ قرآن کریم کی تحریف جس طرح پریز صاحب نے کی ہے وہ صرف انہیں کا  
حصہ ہو سکتا ہے اور اس تحریف میں ان کو وہ حصہ وافر حاصل ہے اور ان کو ایسا لطف  
آتا ہے کہ وہ بے چارے پھولے نہیں سماتے۔

ارادہ ہے کہ انشاء اللہ العزیز اُن کی قرآنی غلطیوں اور تحریفات کو عوام کے سامنے  
رکھا جائے گا۔ تاکہ اُن کی قرآنی بصیرت عامۃ المسلمین پر بھی آشکارا ہو جائے اور خود  
اُن کو بھی معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اس مظلوم کتاب پر کس طرح اور کس قدر ظلم روا  
رکھا ہے۔ علیل ہونے کے علاوہ بہت ہی عظیم القصدت بھی رہتا ہوں، اور نہ یہ  
ارادہ کبھی کا پورا ہو جاتا۔

اس جگہ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیثِ رسول کو چھوٹنے کے بعد  
انسان کن عقائد اور نظریات کا حامل ہوتا ہے اور روحِ قرآن اور حقیقتِ شریعت  
سے محض اپنے نفسِ امارہ کی پیروی میں وہ کس طرح سرکشی کرتا ہے اور اس کی  
ناراض عقلِ قطعیات اور متواترات کا کس طرح انکار و ایل کرتی ہے بلکہ اس کو  
فخر تصور کرتی ہے۔ ذیل میں پریز صاحب کے چند زندقانہ اور مُحدانہ نظریات  
ملاحظہ کریں :-



## ۱۔ احادیث

احادیث سے متعلق وہ یوں اپنی رائے کا اظہار کرتے اور لکھتے ہیں کہ :-

”احادیث کی جس قدر کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں (بخاری اور مسلم سمیت) ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ اس کی الفاظ وہی ہیں جو رسول اللہ نے فرمائے تھے۔ اس بات پر بھی غور کیجئے کہ کوئی محدث ایسی نہیں ہے جس کے الفاظ رسول اللہ کے ہوں۔ تمام احادیث روایت بالمعنی ہیں۔ (دحوۃ طلوع اسلام ص ۲۹، اکتوبر ۱۹۳۹ء مضمون شخصیت پرستی از پردیز) اور مقام حدیث حصہ اول ص ۱۵ میں لکھتے ہیں کہ :-

”احادیث کی جس قدر کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں (بخاری اور مسلم سمیت) ان کے الفاظ رسول اللہ کے نہیں ہیں۔ یہ احادیث روایات بالمعنی ہیں۔ (ملاحظہ) ملاحظہ کیجئے کہ پردیز صاحب کی یہ کس قدر دیدہ دلیری اور جرات ہے کہ بخاری اور مسلم سمیت احادیث کے پورے ذخیرہ میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن مبارک سے نکلی ہو اور جس سے متعلق یہ کہنا درست ہو کہ وہ آپ کے الفاظ ہیں۔ جن کو بحال حفاظت محدثین کو لازم نے اپنی کتابوں میں پوری ذمہ داری سے ضبط کیا ہے بلکہ یہ تمام روایات بالمعنی اور روایات حدیث کی کارستانیوں ہیں۔ مگر چونکہ مسلمانوں پرانہ حدیث و طاری ہے اور وہ شخصیت پرستی کے دلداد ہیں اس لیے وہ ان کو صحیح اور معمول بہا سمجھے بیٹھے ہیں۔

قارئین کرام! آپ شوق حدیث میں ملاحظہ کریں گے کہ صحیح بخاری کے قریب گروہ سے لے کر زمانہ تدوین کتب حدیث تک کس محنت اور جانفشانی سے، کس کلفت اور آزار سے کس ہمت اور شوق سے کیسی دیانت اور لگہمیت سے اُمت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف تیحة) نے اپنے پیارے نبی کی پیاری باتوں

اور آپ کے منہ مبارک اور عمل صالح سے صادر شدہ حدیثوں کی حفاظت اور نگرانی کی ہے اور ایک کافی اور معتد بہ جہت کو بقید الفاظ یاد رکھا اور اسی طرح ادا کیا ہے۔ اگر کسی لفظ میں شک پڑا ہے تو اذکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر اس امانت عظمیٰ کا حق ادا کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض بعض احادیث روایت بالمعنی کے طور پر بھی منقول ہیں مگر پردیز صاحب جس قلیں و دہل کا ثبوت دے رہے ہیں کہ ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ اس کے الفاظ وہی ہیں جو رسول اللہ (صلعم) نے فرمائے تھے۔ تو یہ ایک ہر جہت بتان ایک قبیح مغالطہ اور ایک سفید جھوٹ ہے جس پر غالباً ان کا ضمیر بھی ان کو ملامت کرتا ہوگا۔ بشرطیکہ ان کا ضمیر بھی کوئی ہو۔ کیونکہ اصل حیات اور احساس دل ہی سے وابستہ ہے بقول شخصہ

مجھے ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے  
کہ زندگی عبارت ہے تیرے جینے سے

۲۔ ظنی چیز دین نہیں ہو سکتی۔

پردیز صاحب اس تاریخی ریسرچ اور تحقیق کے بعد قلمدان افتار بھی اپنے ہاتھ میں لے کر یوں رقمطراز ہیں کہ :-

”چونکہ احادیث یقینی نہیں ظنی ہیں اس لیے یہ دین نہیں قرار پا سکتی ان کی حیثیت تاریخ کی ہے اور تاریخ تنقید کی حد سے بالاتر نہیں ہوتی۔ (دحوۃ اسلام ص ۳۴، اکتوبر ۱۹۳۹ء مضمون شخصیت پرستی) نیز تحریر کرتے ہیں کہ :-

”دین یقینی ہونا چاہیے ظنی شے دین نہیں ہو سکتی۔ (مقام حدیث حصہ اول ص ۶) اور دیگر مقام پر لکھا ہے کہ :-

دین وہی ہو سکتا ہے جو یقینی ہو ظنی اور قیاسی نہ ہو۔ (مفہم مقام حدیث  
حصہ اول ص ۲۹) نیز لکھتے ہیں کہ:-

”آپ غور فرمائیے کہ قرآن کریم سے بیشتر کی تمام کتب سادی کو قرآن  
نے ظنی اور قیاسی قرار دے کر ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔ الخ  
(مقام حدیث ص ۵۶ حصہ اول)

تمام کتب سادی کے بارے میں اس عمومی دعویٰ کا باریثوت تو پرویز صاحب  
پر ہے اور اس کی تفصیل کا یہ مقام بھی نہیں ہے مگر اتنی بات تو اس حوالہ سے ہوید اور  
آشکارا ہے کہ ظنی اور قیاسی چیز قابل اعتبار نہیں ہو سکتی۔

جملہ اہل اسلام اس امر متفق ہیں کہ دلائل اور براہین کی مد میں قطعی اور یقینی درجہ  
اول پر صرف قرآن کریم کو حاصل ہے اور اس کے بعد حدیث متواتر اور پھر اجماع  
قطعی کو۔

پرویز صاحب اگرچہ حدیث اور اجماع اُمت کے قابل نہیں ہیں مگر اس  
کا انکو اقرار ہے کہ یقینی چیز صرف قرآن کریم ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-  
”پانے تو پانے غیروں تک کو اعتراف ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو قرآن کریم  
موجود ہے وہ حرفاً حرفاً وہی ہے جو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں دیا  
تھا اور چونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے، اس لیے  
اُس کا یہ آخری پیغام قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا۔ یہ ہے یقینی چیز جس  
کے دین ہونے میں ظن و قیاس کے لیے کوئی گنجائش نہیں؛“

(مفہم مقام حدیث ص ۲۹، حصہ اول)

۳۔ مرکزِ ملت کا مقام کیا ہوگا؟

ان اقتباسات سے یہ بات آفتابِ نیمروز کی طرح آشکارا ہو گئی ہے کہ

پرویز صاحب کے نزدیک جو چیز ظنی اور قیاسی ہو وہ دین نہیں ہو سکتی۔ اور ایسی ظنی اور  
قیاسی چیز پر اعتبار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یقینی چیز تو صرف قرآن کریم ہے اور بس۔  
اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ جب ظن اور قیاس دین میں کام نہیں دے سکتا اور وہ لفظ  
یَقِیْنٌ مِّنَ الْحَقِّ شَیْئًا کا مصداق ہے تو ان کی جماعت ہی یہ بتلائے کہ جن جزئیات  
کی تعیین ان کا مرکزِ ملت کرے گا کیا وہ یقینی ہوں گی یا ظنی؟ اگر یقینی ہیں تو یہ بتلایا جائے  
کہ مرکزِ ملت کی یہ خود ساختہ اور متعین کردہ جزئیات تو قرآن کریم میں نہیں ہیں۔ پھر  
یہ یقینی اور قطعی کیسے ہو گئیں؟ اور اگر یقینی اور قطعی ہیں تو احوال و ظروف اور رفتار زمانہ  
کے تغیر و تبدل سے ان میں رد و بدل کیونکر کیا جاسکتا ہے؟ کیا قطعی چیز میں بھی  
تغیر ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ ظنی ہیں تو یہ دین کس طرح بن گئی ہیں یا کس طرح بن سکتی  
ہیں؟ اور اگر مرکزِ ملت کی متعین کردہ جزئیات دین بن سکتی یا کسی محلِ آیت کی  
تفسیر اور قانونِ کلی کی تشریح ہو سکتی ہیں تو احادیث کیوں باوجود ظنی ہونے کے  
دین نہیں ہو سکتیں؟ کوئی وجہ فرق واضح اور بین ہونی چاہیے اس بحث سے  
اس موقع پر کوئی غرض نہیں کہ جیسے مرکزِ ملت کی جزئیات میں اوقات اور حالات  
کے لحاظ سے تغیر و تبدل ہو سکتا ہے اسی طرح احادیث کی جزئیات میں بھی  
ہو سکتا ہے۔ وہ بڑی خوشی سے ہو۔ بحث یہ نہیں ہے۔ صرف نگاہ اس پر  
جھائیے کہ یہ غیر یقینی چیز کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں دین کیوں بن گئی  
ہے؟ مثلاً آپ کا مرکزِ ملت کسی وقت یہ فیصلہ کرتا ہے کہ زکوٰۃ ہر مال سے  
دس فیصدی کے حساب سے وصول کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تعیین دین  
کے اعتبار سے قابل اعتنا ہوگی یا نہیں؟ اور اگر یہ ماننا مسلمانوں کا فرض ہوگا، اور  
مرکزِ ملت کا قانون اس کو تازیانہ اور قانون کے زور سے منوائے گا تو سوال یہ ہے کہ  
مرکزِ ملت پر قرآن کریم کی طرح کوئی وحی آئی ہوگی جس سے اسی مقدار کا تعیین ہوگا

اور اگر یہ گورکھ دھند قرآن کریم کے ماوراء اور اس کے ماسوا ہوگا تو وہ یقینی کیسے ہوگا؟  
اور غیر یقینی چیز دین کیسے بن جائے گی؟ یا یہ چیز غیر دینی ہوگی اور اگر ایسا ہے تو پھر  
اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اصول دین تو قطعی ہونے کے سبب  
یقینی ہیں مگر ان کی جزئیات دینی نہیں ہیں اس لیے کہ وہ غیر یقینی ہیں اور اولیٰ  
بدلتی رہتی ہیں۔

پرویز صاحب اور ان کی جماعت کو اس پڑھنے سے دل سے غور کرنا اور پھر  
دو ٹوک جواب دینا ہوگا۔ اور اگر ان کے یہ نظریات ٹھیک ہیں کہ یقینی چیز صرف  
قرآن کریم ہے اور باقی سب کچھ ظنی ہے اور دین صرف یقینی ہو سکتا ہے نہ کہ ظنی۔  
عام اس سے دین کے اصول اور عقائد ہوں یا فروع اور اعمال۔ تو ان کو مرکز ملت  
کی جزئیات کو دین قرار دینے کے لیے کوئی سختی اور قطعی دلیل پیش کرنا ہوگی۔ رہا  
پرویز صاحب کا طلوع اسلام کے ایک شمارہ میں ایک سائل کے جواب میں  
یہ کہنا کہ آپ کو یہ کس نے کہا ہے کہ تمام احادیث کو ترک کر دیجئے؟ (محصلہ) تو  
اس سوال کا جواب یہ ہرگز نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ نماز کی رکعات کا ذکر  
جب قرآن کریم میں نہیں ہے، تو آپ ان کا تعین کہاں سے کرتے ہیں۔  
اگر حدیث اور تعامل سے کرتے ہیں تو ظنی چیز دین کیسے بن گئی ہے؟ دین تو قطعی  
اور یقینی چیز ہی ہو سکتی ہے اور وہ صرف قرآن کریم ہے اور بس۔ اور اگر اس کا  
متعین کرنا مرکز ملت کا کام ہے تو اگر ہمارے شیخی دور کا (جس دور میں منٹ اور  
سیکنڈ کے اندر حالات کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں) مرکز ملت ان رکعات میں تغیر و  
تبدل کرے تو پھر کیا حکم ہوگا۔

بہت ممکن ہے کہ مسلمانوں کا یہ خیر خواہ اور ہمدرد مرکز ملت جو اغلب ہے  
کہ جناب پرویز صاحب، تمنا عمادی صاحب، نیاز صاحب، اور برق صاحب

وغیرہ جیسے، اصحاب پر مشتمل ہوگا۔ موجودہ دفتروں، کالوں، کارخانوں اور مشینی دور  
دور کے تقاضوں کے ماتحت صبح کی نماز صرف ایک ہی رکعت مقرر کر دے۔ اور  
ظہر و عصر وغیرہ کے اوقات میں ایسا کرنا تو ایک ناگزیر امر ہوگا۔

کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ مرکز ملت مسلمانوں کے حق میں دل گدازی کا  
دلولہ اور جذبہ اپنے دل میں نہ رکھتا ہو اور نماز وغیرہ دیگر ارکان اسلام کے اہم  
جزئیات میں رد و بدل پسند اور گوارا نہ کر لے۔  
۴۔ مرکز ملت مقنن بلکہ شارع ہوگا۔ جو قوانین وہ متعین کرے گا وہی شریعت  
مرکز ملت مقنن بلکہ شارع ہوگا۔

مرکز ملت مقنن بلکہ شارع ہوگا۔ جو قوانین وہ متعین کرے گا وہی شریعت  
ہوگی۔ چنانچہ پرویز صاحب ہی فرماتے ہیں کہ:-

”اگر آج ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان میں قرآنی منشور کے مطابق شریعت  
کا نفاذ ہو تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہم قرآنی اصولوں کی روشنی  
میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اپنے قوانین خود متعین کریں یہی  
قوانین شریعت اسلامی کہلائیں گے نہ کہ وہ قوانین جو اپنے زمانے کے  
حالات کے مطابق کسی سابقہ اسلامی حکومت نے وضع کئے تھے۔“

(طلوع اسلام بابت ماہ اکتوبر ۱۹۵۷ء ص ۲۷ مضمون زکوٰۃ از پرویز صاحب)

اور جزئیات کا یہ تغیر اور تبدل صرف پاکستان کے باشندوں کے ساتھ  
ہی خاص نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ کے مسلمان اس دریں ضابطہ سے خاطر خواہ استفادہ  
کر سکتے ہیں۔ چنانچہ پرویز صاحب ہی لکھتے ہیں کہ:-

”ہر زمانہ کے مسلمان اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اسی  
اصولی مقصد کے حصول کے لیے عملی جزئیات خود متعین کریں گے۔“

(طلوع اسلام، ص ۲۶ ماہ اکتوبر ۱۹۵۷ء)

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

”اس کے اصول، حکم اساس پر مبنی ہیں جسے فطرت اللہ کہا جاتا ہے (اور جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ لیکن ان اصولوں کی جزئیات مختلف حالات کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اولیٰ بدلتی رہتی ہیں۔ ان بدلنے والی جزئیات کو شریعت کہا جاتا ہے“ (ایضاً)

نیز پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ :-

”جن جزئیات کو خدا نے خود متعین نہیں کیا ان کے متعلق خدا کا منشاء یہی تھا کہ وہ ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں۔ اور جن جزئیات کو رسول اللہ نے متعین کیا ان کے متعلق حضور کا بھی یہ منشاء نہیں تھا کہ وہ قیامت تک کے لیے ناقابل تغیر و تبدل رہیں“

(مقام حدیث جلد ۲ ص ۲۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ کے حالات کے تقاضوں کے ساتھ جزئیات اولیٰ بدلتی رہیں گی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ خلافت راشدہ اور اس کے بعد کے مختلف زمانوں اور متعدد ملکوں میں خود مسلمانوں ہی کے حالات کے تقاضے بدلتے نہیں رہے اور کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اپنی جزئیات خود متعین اور مرتب نہ کی ہوں بالفاظ دیگر ہر قرن اور ہر دور کے مسلمانوں کی شریعت الگ الگ اور مجاہد رہی ہو گی اور آج بھی اسلامی ممالک اپنے حالات کے تقاضوں سے مجبور ہو کر مجدد شریعت وضع کرنے کے مجاز ہیں۔ اور لازمی امر ہے کہ جب بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت جزئیات بدلتی رہیں گی تو ہر دور کا مرکز ملت جدا ہوگا۔ اور چونکہ مرکز ملت مختلف ہوں گے اس لیے ان کے پیروں میں بھی اختلاف ہوگا۔ پھر معلوم نہیں کہ

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ إِنَّمَا وَافَقَ

کی تلقین کس کو کی ہے؟ اور تشنّت اور افتراق سے کس کو باز رہنے کا حکم دیا ہے؟ اور نہ معلوم طلوع اسلام ۲۱ مئی ۹۵۵ء کے سرور قی نصیحت کس کو کی گئی ہے قرآن کی رو سے فرقہ بندی خدا کا عذاب ہے ایمان کے بعد کفر ہے۔ توحید نہیں بلکہ شرک ہے۔ سوال یہ ہے کہ فرقے بننے کس طرح ہیں؟ اس طرح کہ لوگ خدا کی دی ہوئی شریعت کے بجائے انسانوں کی بنائی ہوئی شریعت کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں اور چونکہ مختلف انسانوں کی شریعتیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے ان کے پیروں میں اختلاف ہوتا ہے“ الخ

کی تعین کردہ جزئیات کے تنوع سے پیدا شدہ یہ فرقہ بندی اور گروہ سازی قرآن کریم کے رو سے جائز ہے؟ پروفیسر صاحب تو فرقہ پرستی کا ایک مستقل عنوان قائم کر کے یوں لکھتے ہیں کہ :-

”پھر مسلمان صدیوں سے تحزب و تشیع فرقہ بندی اور گروہ سازی کی جس مشرکانہ زندگی سے گزر رہے کہ قرآن کریم دین میں تفرقہ اندازی کو صریح الفاظ میں شرک قرار دیتا ہے“

(ملفوظ مقام حدیث ص ۳۲ حصہ اول)

کیا ہر زمانہ کے مختلف تقاضوں کے تحت مرکز ملت کو جزئیات کی تعین میں قانون سازی کی یہ مبارک تفویض اور یہ اولیٰ بدلتی اور یہ بنیٰ اور بگڑتی مختلف شریعتیں اس تفرقہ اندازی کے نیچے داخل نہ ہوں گی؟ اور کیا یہ قرآن کریم کے صریح الفاظ میں شرک قرار نہ دی جائیں گی؟ یا یہ شریعتی صرف حدیث ماننے والوں کے لیے ہی آپنے رکھ چھوڑی ہے؟ بات دل کی کہنا۔

یہ عجب منطقی پروفیسر صاحب کے ہاتھ لگی ہے کہ دوسرے لوگ غیر منصوص احکام میں بھی اگر محدثین اور فقہاء کی رائے کو تسلیم کر لیں تو وہ تحزب و تشیع فرقہ بندی اور

گروہ سازی کی زو اور مد میں آجائیں اور شرک قرار پائیں مگر خود ان کا مرکز ملت مخصوص احکام کو بھی بدل ڈالے تو شرک نہ ہو۔ معلوم نہیں بات کیا ہے؟

پرویز صاحب کا یہ الوکھا اور نوالا فلسفہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے بیکراہنوز مسلمانوں کا اجماع اور تعامل توجہ نہیں اور نہ ان کی اطاعت جائز ہے مگر چودھویں صدی کے بے عمل مرکز ملت کی اطاعت لازم ہے۔ شاید محض اس لیے کہ وہ ان کا مرکز ملت ہے؟ ایک اور بات بھی خصوصیت سے قابل توجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض مقامات

پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اوقات دنیاوی معاملات اور مذہبی امور میں فرق ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کو ایک مخصوص طریقہ پر کچور کے درختوں میں قلم لگاتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو بھی معاملہ ٹھیک ہے گا چنانچہ اس سال اس کاروائی کے ترک کی وجہ سے پھل کم حاصل ہوا۔ صحابہ کرامؓ نے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا ”میں ایک بشر اور انسان ہوں۔ جب تمہیں دین سے متعلق کچھ کہوں تو اس کو ضرور کرو ہے دنیا کے امور تو اختراع و باعہر دنیا کے (مسلم جلد ۲ ص ۲۳۴) تم دنیا کے معاملات کو مجھ سے بہتر جانتے ہو (جیسا چاہو کرو)۔ لیکن پرویز صاحب بلا کسی تفصیل کے یہ لکھتے ہیں کہ :-

”قرآن دنیاوی امور اور مذہبی امور میں کوئی فرق نہیں کرتا“

(طلوع اسلام، ماہ اکتوبر ۱۹۵۵ء ص ۲۵ مضمون رکوع)

اور پھر آگے لکھا ہے کہ :-

”لہذا ان میں تفریق ثنویت (یعنی مجسبت جو خیر و شر یا یزدان و

اہرمین وغیرہ باطل عقائد کے قابل تھے۔ صفحہ ۲) پر مبنی ہے جو قرآن

کی رو سے شرک ہے“ (ایضاً ص ۲۶)

جب قرآن کریم دنیاوی اور مذہبی امور میں تفریق کو شرک اور ثنویت کہتا ہے تو پرویز صاحب ہی از روئے انصاف و دیانت (بشرطیکہ ان کے نزدیک یہ کوئی چیز نہ بھی) یہ فرمائیں کہ قرآن کریم مذہبی امور میں اس تفریق کو کیوں شرک نہیں کہتا کہ ہر زمانے کا مسلمان اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق شریعت اور جنہ نیا ت پر جزئیات اور فروع پر فروع بدلتا ہے؟ پاکستان کی شریعت کوئی اور ہو اور ایران کی کوئی اور ہر کی الگ ہو اور انڈونیشیا کی الگ، افغانستان کی جدا ہو اور شام کی جدا، حجاز کی ان کے ماسوا ہو اور عراق کی اس عمنانہ، بتائیے اس تفریق کو قرآن کیسے گوارا کرے گا؟ اور اس کی اجازت وہ کیسے دے گا؟ یقین جلدیے کہ اگر وہ بزعم منکرین حدیث، حدیث کی مختلف جزئیات اور رسمی اختلافات کو گوارا نہیں کرتا تو اس عظیم فرق بندی اور گروہ سازی کو بھی وہ ایک لمحہ بھر گوارا نہیں کرے گا۔

ملاحظہ کیا آپ نے کہ پرویز صاحب نے یہ گمراہ کن اور اسلام کش نظر یہ کس طرح اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کے لیے اختیار کر رکھا ہے کہ شریعت بنانا اور قرآن کریم کے حکم اصولوں کی جزئیات متعین کرنا خود ہمارا، مرکز ملت اور ہر دور کے مسلمانوں کا کام ہے اور یہ جزئیات مختلف حالات کے تقاضوں کے ساتھ ادنیٰ بلتی رہتی ہیں اور ان بدلنے والی جزئیات کو شریعت کہا جا رہا ہے۔ جب یہ شریعت قرار پائیں تو ان کو متعین کرنے والا مرکز ملت ضرور شارع ہو گا۔ بالفاظ دیگر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی اور بتائی ہوئی شریعت جو حدیث کی شکل میں ہے، وہ تو تمام ملٹی اور غیر متبر ہے۔ ہاں اگر معتبر ہے تو صرف مرکز ملت اور مسلمانوں کا مختلف اوقات میں اپنے لیے وضع کردہ فیصلہ لا حول ولا قوۃ لا اذ باللہ۔ یہ ہے وہ قرآنی بصیرت اور فہم قرآن جو سالہا سال کے طویل اور عمیق

تجربہ کے بعد جناب پرویز صاحب کو مفت میں حاصل ہوئی ہے، جس میں بقول خود ان کے استاد محترم علامہ اسلم صاحب جیراجپوری کی کرامت اور برکت بھی شامل ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِي يَسِدُّهٖ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ - ۵

وزیرے جنیں شہر پائے جنیں

۵۔ پرویز صاحب کی ملا سے مخالفت کیوں ہے؟

علماء تو کیا ایک ادنیٰ مسلمان بھی یہ جانتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک جامع زندگی تھی جس میں عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات اور دین و دنیا کی تمام بھلائیاں موجود تھیں اور اسی جامع اور مکمل زندگی کو قرآن کریم میں سونپنے سے تعبیر کیا گیا ہے اور آپ کے پیروکاروں پر اس کی اطاعت لازم قرار دی گئی ہے کہ فرائض و واجبات میں یہ اطاعت لازم اور فرض ہوگی۔ اور سنت و مکہ میں پیروی کرنے والے کو مزید روحانی ترقی اور قیامت کے دن آپ کی زیادہ رفاقت نصیب ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھنے اور بیٹھنے، کھانے اور پینے، سونے اور جاگنے چلنے اور پھرنے وغیرہ امور میں پوری اور مکمل ہدایت اپنی امت کے سامنے پیش کی ہے۔ مثلاً یہ کہ کھانا دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور دائیں ہاتھ سے پانی پیو۔ سوتے وقت اپنے اس پہلو پر سوؤ اور یہ دعا پڑھو جب اٹھو تو تمہاری زبان پر یہ دعا جاری ہو مسجد میں داخل ہو تو دایاں پاؤں پہلے رکھو۔ باہر نکلو تو دایاں پاؤں پہلے رکھو وغیرہ وغیرہ اور محدثین کو کرم اور فقہاء عظام آپ کی ایک ایک سنت اور ایک ایک حرکت وادار پر جان فدا کرتے ہیں اور اس میں اتباع کرنے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ اس پرفتن اور مادہ پر آزاد دور میں اب بھی اطاعت کرتے ہیں مگر یہی وہ پابندی ہے جس سے پرویز صاحب اور ان کی جماعت نالاں ہے اور وہ اس کے کوسوں دور بھاگ

ہے میں اور وہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے پیش نظر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اور گرج سے کچھ ایسے بھاگتے ہیں جیسے ارشاد خداوندی ہے۔ کانہم وحمز مستغفرة فرت من قسورة۔ چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”مذہب کی دنیا میں تیسری چٹان یا زنجیر (زنجیر کیا پوسے کا پورا جیل خانہ پرویز) پیشوائیت کی لعنت ہے (وہی جسے انگریزی میں RRI STOOD ہندوؤں کے ہاں برہمنیت اور ہمارے ہاں ملائیت کہا جاتا ہے) یہ وہ زنجیریں ہیں جو انسان کو ایک قدم بھی اپنی مرضی سے اٹھانے نہیں دیتیں۔ یوں بیٹھو، یوں اٹھو، یوں سوؤ، یوں جاگو، یوں چلو، یوں پھرو، یوں کھاؤ، یوں پیو۔ دایاں پاؤں ادھر بایاں ادھر، سیدھا یوں اٹھاؤ، الٹا یوں، پوری کی پوری زندگی ایک مستبد ڈکٹیٹر کی (REGIMENTION) بنادی جاتی ہے۔ سوچو سلیم! اگر انسانیت پر یہ بوجھ کس قدر گراں اور یہ زنجیریں کیسی استخوان شکن تھیں۔ رسالت محمدیہ نے ان تمام زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ (قرآن کریم کی کس آیت سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مذکورہ متعین زنجیریں کاٹ کر رکھ دی ہیں۔ صفحہ ۱) اور کہہ دیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی قوت حائل نہیں ہو سکتی۔ قانون کی اطاعت میں پیشوائیت کا کیا

کام؟ (بلفظ طلوع اسلام ص ۲۹، اکتوبر ۱۹۵۵ء سلیم کے نام)

ملاحظہ کیا آپ نے کہ حدیث اور عالم اسباب میں حدیث کی محافظ جماعت علماء اور ان کی ملائیت سے پرویز صاحب کو کیوں کہہ رہے؟ اور وہ اس کو کیوں پیشوائیت کی لعنت سے تعبیر کرتے ہیں؟ اور اس کی زنجیروں کو کاٹنے کے کیوں پیرے ہیں؟ اور وہ الدُّنْيَا سَجْنُ الْمُؤْمِنِ کے اسلامی قید خانہ کی دیواریں چھان



کہ کس طرح بھاگ نکلنے کے متمنی ہیں؟ اور اس جیل خانہ سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے انہوں نے کیسا پور دروازہ اختیار کیا ہے اور اس جیل خانہ کے محافظ دستوں کو رسول پرستی، رواد پرستی، مردہ پرستی اور ماضی پرستی وغیرہ کے عنوان قائم کر کے الحاد کی توار اور نفی پرستی کی بندوق سے محروم کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ محض اس لیے کہ ان کی مضبوط سنبھالی ہوئی زنجیریں پر دیز صاحب جیسے انسان کو اپنی مرضی سے ایک قدم اٹھانے نہیں دیتیں۔ آخر اس گواہ بوجھ اور استخوان شکن زنجیروں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے تو پر دیز صاحب نے کچھ سوچنا ہے اور پھر اس پر عمل پیرا بھی ہونا ہے۔ اور وہ آسان اور سہل لفظوں میں اس کے بغیر اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے کہ سر سے حدیث اور ناقلیین و جامعین حدیث پر اعتماد ہی نہ کیا جائے تاکہ نہ بینک لگے نہ پھٹک لگی۔ اور پر دیز صاحب نے یہ بھی بتلایا کہ جو امور انہوں نے ذکر کئے ہیں وہ خدا تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان حامل کس طرح ہوتے ہیں؟ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنا کوئی ایسی قوت اور طاقت ہے جو خدا اور بندے میں حامل ہو جاتی ہے؟ ہاں اگر کوئی شخص پر دیز صاحب کی طرح اپنی مرضی سے کسی کو آپ کے اسوہ حسنہ سے مستغنی کر کے خود ساختہ زنجیروں میں جکڑنا چاہے تو اس کی بات جلد ہے۔ لیکن پر دیز صاحب کو اس کی وضاحت کرنی چاہیے تھی مطلقاً پیشوائیت اور ملامتیت کو لعنت قرار دینا انتہائی دیدہ و لیری اور سلف صالحین کی کھلی تحقیر و توہین ہے اور وہ بھی لعنت کے لفظ سے۔ یہ صرف پر دیز صاحب ہی کو زیب ہے۔ مشہور ہے کہ "یہ منہ اور مسود کی وال" لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

پھر آخر میں پر دیز صاحب نے قانون کی اطاعت میں پیشوائیت کا کیا کام؟ کلایونڈ اور نیچر لگا کر جس اخلاقی پستی کا ثبوت دیا ہے وہ بھی ایک خالص ایچ پی

پر دیز صاحب ہی بتائیں کہ کیا قانون کی دفعات اور نکات کو کوئی شخص ماں کے پیٹ سے سیکھ کر آیا کرتا ہے؟ یا اس کو کسی معتمد قانون دان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے پڑتے ہیں؟ یا ہر کہ و مرہ اور خاص و عام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانونی دفعات کی تشریح کر سکے؟ اور اس کی باریکیوں کو حل کر سکے؟ اور اس کی مشکل جزئیات کی گتھی سلجھ سکے؟ اگر ہر کس و ناکس کو یہ حق حاصل نہیں اور قطعاً نہیں۔ تو یقیناً جانئے کہ قانون کی اطاعت اسے سمجھ بغیر مرگ نہیں ہو سکتی اور شرعی و اسلامی قانون کو سمجھنے اور سمجھنے والی ملائیت سے بھی ہرگز استغناء نہیں ہو سکتا۔ جنہوں نے اپنی عزیز جانیں اس کو حاصل کرنے اور پڑھنے پڑھانے میں گزار دی ہیں۔ باقی علماء ربوہ اور بندگان حرص و ہوی اور پیران بدکردار کو درمیان میں لاکر غلط بحث کر تلبے سودا مرگوا۔ ہم ان کو پر دیز صاحب سے بھی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ بات صحیح قانون خداوندی کے سمجھنے اور سمجھانے والوں کی ہو رہی ہے اور وہ صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو محدثین کرام فقہاء عظام وغیرہ کے گروہ میں شامل ہو کر مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدا کہلانے کے مستحق ہیں۔ جن کو پر دیز صاحب نے ملامتیت اور پیشوائیت کی لعنت سے تعبیر کر کے اپنے دل ماؤف کی بھڑاس نکالی ہے اور ایک ہی جملہ میں سلف کی زندگی کو خاک میں ملانے کی بے جا سعی ہے مگر ان کو اس سے کیا غرض کہ انہوں نے اسلام کے لیے کیا کچھ کیا ہے؟ افسوس کہ

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے  
پیدا کئے فلک نے تھے جو خاک چھان کے

۶۔ زکوٰۃ

ارکان اسلام میں سے ایک رکن زکوٰۃ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے امیروں

اور مالداروں پر غریبوں اور یتیموں، بیواؤں اور ناداروں کے لیے عائد اور فرض کی ہے۔  
قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اجمالاً اور قدرے تفصیلاً اس کی بحث کی گئی ہے مگر  
اس کا نصاب قرآن کریم میں بیان نہیں کیا گیا۔ بعینہ اس طرح جس طرح نماز کی رکعت  
وغیرہ اس میں بیان نہیں کی گئیں مگر تمام احادیث اور سنی فیصدی مسلمان اس پر متفق  
ہے کہ آیت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکیم خداوندی کے مطابق سونے،  
چاندی، نقد اور سامان تجارت میں چالیسواں حصہ مقرر کیا ہے۔ مثلاً ادنیٰ نصاب  
سونے کا ساڑھے سات تولے اور چاندی کا ساڑھے باون تولے ہے۔ زمین اگر چاہی  
ہے تو اس کا بیسواں حصہ اور اگر بارانی ہے تو دسواں حصہ اسی طرح جانوروں کی زکوٰۃ  
کا نصاب اور حلال حول وغیرہ اہم قیود و شرائط کا ذکر کم و بیش تمام کتب حدیث  
اور فقہ میں مذکور و مسطور ہے۔ اور آج تک کسی کو اس کے بارے میں کوئی تردد کبھی  
لاحق نہیں ہوا۔ مگر پروفیسر صاحب اور ان کی غنچہ جماعت جو مسلمانوں کو حدیث،  
ملائیئت اور پیشوائیت کی لعنت سے رہائی دینے کے لیے معرض وجود اور منصفہ شہود  
پر جلوہ گر ہوئی ہے۔ وہ زکوٰۃ میں نصاب کے بوجھ گراں اور استخوان شکن زنجیروں کو بھی  
برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ چنانچہ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”یا مثلاً قرآن کریم نے حج کے ارکان کی جزئیات تک کا ذکر کر دیا  
ہے کیا اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں ہے کہ طواف کے مرتبہ ہو؟  
ایک مرتبہ یا دو مرتبہ؟ تین دفعہ یا سات دفعہ؟ پھر کیا اس کا بھی ذکر  
ہے کہ طواف شروع کہاں سے کر د اور ختم کہاں کر د؟ مگر یہ نہ پوچھو  
بہت ممکن ہے کہ حبشی اور سوڈانی وغیرہ سیاہ فام لوگ حجر اسود  
سے شروع کر دیں اور شامی وغیرہ رکن شامی سے اور بانی (در طیکہ  
وہ حج وغیرہ کے قابل ہوں) باب اور دروازہ سے، کیونکہ یہ سب

کچھ ان کے حالات کے تقاضے ہو گا۔ صغیر) لیکن زکوٰۃ کا تعین  
کچھ نہیں۔ اس لیے کہ ہر دور کی اسلامی حکومت خود متعین کرے گی کہ  
اسے کس قدر پونے کی ضرورت ہے اور اسی حساب سے وہ قوم سے ٹیکس  
وصول کئے گی۔ (دس علی ہذا) بلفظہ معارف القرآن جلد ۴ ص ۴۶۹

غور کیجئے کہ پروفیسر صاحب نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح  
اور صریح احادیث اور اُمت کے اجماع و اتفاق کے مقابل میں کس جرات سے  
متوازی شریعت اور دین کھڑا کر دیا ہے کہ زکوٰۃ کا کوئی تعین ہی نہیں ہے۔ اور ہر  
دور کی اسلامی حکومت یہ خود متعین کرے گی کہ اُسے کس قدر پونے کی ضرورت ہے  
ظاہر بات ہے کہ جب زکوٰۃ کا نصاب متعین کرنا اسلامی حکومت یا بالفاظ دیگر مرکز  
ملت کا کام ہے تو اس کی شرح مختلف اسلامی ملکوں میں یقیناً مختلف ہوگی اور ایک  
ہی اسلامی ملک میں حالات کے بدلنے سے بھی یقیناً یہ نصاب گھٹتا، بڑھتا  
اور پھیلتا، سکڑتا ہے گا اور یہ نصاب رپڑ سے کسی طرح متفاوت نہ ہو گا۔ جتنا  
پھیلائے خوب پھیل جائے گا اور جتنا گھٹا ہے، گھٹ جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر  
کوئی زندہ دل اس کو پتلون کی جیب میں سمیٹ کر رکھنا چاہے گا تو اس کے  
لیے یہ عین ممکن ہو گا اور اگر کسی وقت اسلامی حکومت یا مرکز ملت موج میں آجائے  
تو ہر ایک کی ضرورت سے زائد کبھی کچھ وصول کر لیا جاسکتا ہے مگر پروفیسر صاحب نے  
یہ عقیدہ حل نہیں کیا کہ آیا حکومت اسلامی زکوٰۃ کی یہ رقم اپنے مصارف مثلاً فوجی،  
تعلیمی، تجارتی اور سرکاری ملازمین کی تنخواہوں، ہسپتالوں اور دیگر رفاہ عام (ملکی  
اور غیر ملکی ضرورتوں) کے لیے وصول کرے گی یا فقرہ اور مساکین وغیرہ ہم قرآنی  
مصارف کے لیے ظاہر ہے کہ اس دور کی حکومتوں کے سامنے متعدد ملکی اور  
غیر ملکی اسکیں ہوتی ہیں جن کے بغیر دور حاضر کی کوئی حکومت ایک دن بھی

حکومت نہیں چلا سکتی۔ اتنی وسیع اور بے شمار اسکیموں کے ہوتے ہوئے فقر اور مساکین وغیرہم کے لیے کیا کچھ بچ سکتا ہے؟ جب کہ بڑھتی ہوئی آبادی اور ضرورت زندگی کی گرائی کے پیش نظر مسئلہ اور بھی اہم ہو جاتا ہے اور غربت و افلاس ناواری و مفلوک الحالی رزاقوں ترقی پر ہے غالباً اسی مشکل کے پیش نظر پرویزہ صاحبہ وغیرہ نے زکوٰۃ کے مسلمانوں میں تانبہ زراعت شدہ نصاب کے متعین ہونے کا انکار کیا ہے۔ مگر اس پریشانی کا مداویہ ہرگز نہیں ہے۔ کیا اس کا علاج اس صحیح صورت سے ممکن نہیں جو اسلام میں رائج چلی آتی ہے کہ سونے اور چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ از خود لوگ اپنے فقیر اور محتاج رشتہ داروں اور دیگر محتق زکوٰۃ افراد کو ادا کریں اور حکومت زمین کی پیداوار اور جانوروں کی زکوٰۃ خود وصول کرے۔ اور مال فنی اور غنیمت کے علاوہ سرکاری اشیاء مثلاً جنگلات، مختلف قسم کی کانیں، سرکاری اراضی کی پیداوار کا خانوں اور دیوں کی آمدنی وغیرہ سے حکومت اپنی ایکسپوڑی کرے اور اگر ضرورت اس سے پوری نہ ہوتی ہو تو زکوٰۃ کو وصول کرتے ہوئے بھی اس کا متعین شدہ نصاب جوں کا توں بنے۔ اور مالدار، تجارت پیشہ حضرات اور دیگر اہل صنعت و حرفت وغیرہ سے حسب ضرورت ٹیکس وصول کرے۔ لیکن شریعت حقہ کی متعین کردہ حدود اور شرائط کو اور زکوٰۃ کے نصاب کو اپنے دست برد سے محفوظ رکھے۔ اس کا کام بھی چلتا ہے اور متعین شدہ نصاب میں بھی کمی و بیشی نہ ہو۔ کیا اسلامی حکومت کا کام صرف نصاب زکوٰۃ کو بگاڑنے ہی سے ہو سکتا ہے اور بس؟ کیا اس کو برقرار رکھ کر اور حسب ضرورت ہنگامی ٹیکس عائد کر کے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے؟

اسلامی حکومت کی اس مالی پریشانی پر علماء اسلام نے اپنے دور کے مختلف تھانوں کے مطابق متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ کتاب الخراج۔ کتاب الاموال

اور محلی ابن حزم وغیرہ وغیرہ میں یہ مسئلہ قابل دید ہے اور اس زمانہ میں اسلام کا اقتصادی نظام بھی کافی معلومات افزاء اور بہترین کتاب ہے، مگر ان حضرات میں سے کبھی کسی کو یہ بات نہ سوجھی کہ چلو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقرر کردہ اور خلفاء راشدین کا معمول یہ عمل ہی بدل ڈالا جائے۔ یہ تو کبھی اور نئی منطق ہر دور میں صرف متکثرین حدیث ہی کو سوجھی ہے اور بس!

ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ اگر کسی وقت بد قسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم اور فیصلہ صادر ہوگا؟ اور یہ بات کتب تاریخ کے اوراق پر چمک رہی ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد صحیح معنی میں اسلامی حکومت کہاں رہی؟ اور کتنی دیر رہی اور کن حالات میں رہی؟

بقول پرویز صاحب "خلافت ملکیت میں تبدیل ہو گئی اور پھر سرے سے یہ شیرازہ ہی منتشر ہو گیا" (مفہم مقام حدیث، حصہ اول ص ۶۷)

یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ جب اسلامی حکومت ہی نہ ہو تو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہ رہے گی اور جب شرعی طور پر زکوٰۃ باقی نہ رہی تو اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ادا کی ہوئی زکوٰۃ ادا بھی تو نہ ہوگی۔ لہذا خلافت راشدہ اور اس سے ملتی جلتی اسلامی حکومت کے بعد لیگان لیگان عمل کرتے رہے کہ خواہ مخواہ زکوٰۃ کے بوجھ گراں اور اتھوڑا شکن زنجیروں کے تلے کراہتے رہے کہ نہ تو ان کی زکوٰۃ ادا ہوئی اور نہ وہ مال سے مستغنی ہوئے بقول شخصہ کہ

نہ خدا ہی ملانہ وصالِ صنم  
نہ اُدھر کے ہے نہ اُدھر کے ہے

چنانچہ پرویز صاحب کی بصیرت قرآنی کا ناشر طلوع اسلام لکھتا ہے کہ:-  
"اس لیے زکوٰۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے۔ اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی۔ اس لیے کہ شرح ٹیکس

انحصار ضروریات ملی پر ہے جس کی ہنگامی صورتوں میں حکومت وہ سب کچھ وصول کر سکتی ہے جو کسی کی ضرورت کے زائد ہو (بِسْمِ اللَّهِ مَا ذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْغَفُورُ) لہذا جب کسی جگہ اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی،  
(بلفظ طلوع اسلام ماہ جنوری ۱۳۵۹ھ ص ۵۲)

لیجئے اب تو کھلی چھٹی ہے۔ اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی اور ظاہر ہے کہ اس وقت تو کیا، خلافت راشدہ کے بعد ہی سے اسلامی حکومت کا شیرازہ صدیوں سے بکھر چکا ہے۔ لہذا اس وقت نہ کوئی صحیح اسلامی حکومت ہے اور نہ زکوٰۃ ہے۔

نیز پرتویز صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ:-

”میں اسے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اگر خدا کا منشاء یہ ہوتا کہ زکوٰۃ کنی شرح قیامت تک کے لیے اڑھائی فیصدی ہونی چاہیے تو وہ اسے قرآن میں خود نہ بیان کر دیتا۔ اس سے ہم اس ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ منشاء خداوندی تھا ہی نہیں کہ زکوٰۃ کی شرح ہر زمانے میں ایک ہی ہے۔“ (مقام حدیث، جلد دوم و طلوع اسلام ص ۳۷، اکتوبر ۱۹۵۷ء)

ہم بھی اسی پرتویز منطلق کے پیش نظر مثلاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیگر بے شمار احکام کا تو قصہ ہی چھوڑیے، صرف نماز کے متعلق (اور وہ بھی سنتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے محض فرائض کے بارے میں) ہم اسے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر خدا کا منشاء یہ ہوتا کہ صبح اور جمعہ کے فرض دو رکعتیں ہونی چاہییں اور ظہر اور عصر اور عشاء کی چار رکعتیں فرض ہوں اور شام کی تین رکعتیں فرض ہوں تو وہ انہیں قرآن میں خود نہ بیان کر دیتا اس سے ہم اس ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ منشاء خداوندی

تھا ہی نہیں کہ ہر زمانہ میں ان فرائض کی رکعات کی شرح ایک ہی ہے۔ کوئی معقول اور مبنی بر انصاف وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ زکوٰۃ کی شرح تو بدلتی رہی اور نماز بے چاری جوں کی توں ہی ہے۔ آخر نماز نے کسی کا کیا بگاڑا ہے کہ جدید تقاضوں سے پیدا شدہ حالات سے اس کو نصیب نہ ملے۔ اگر پرتویز صاحب کی اس دلیل میں کچھ جان ہے تو یقیناً نماز پر بھی وہ منطبق ہوگی اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس پر چپاں نہ ہو۔  
نظر جو آتی ہے شرکی صورت، اسی میں مغربے خیر و برکت  
کھا شرب میں جہاں ہے ظلمت وہیں ستارے چمک رہے ہیں  
پرتویز صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:-

”جن جزئیات کو خدا نے خود متعین نہیں کیا۔ ان کے متعلق خدا کا منشاء یہی تھا کہ وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں اور جن جزئیات کو رسول اللہ نے متعین کیا۔ ان کے متعلق حضور کا بھی یہ منشاء نہیں تھا کہ وہ قیامت تک کے لیے ناقابل تغیر و تبدیل رہیں۔“

(مقام حدیث جلد ۲ ص ۲۹۹)

اس پرتویز ضابطہ اور برہان کے پیش نظر ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ نماز کی جزئیات اور اس کی رکعات وغیرہ کے متعلق منشاء خداوندی ہی یہ ہے کہ وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں۔ اس لیے ہی خدا تعالیٰ نے ان کو خود متعین نہیں کیا۔ یعنی ایک فارغ البال صوفی اور عابد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بجائے دو رکعتوں کے صبح کو بیس یا اس سے زیادہ رکعات فرض پڑھے اور ایک کلرک اور ملازم پیشہ آدمی کو اپنی دفتری ملازمت اور تقاضا کے مطابق صبح کی صرف ایک ہی رکعت پڑھ لی جانی چاہیے۔ اور تقاضا اس سے بھی زیادہ مجبور کرے۔ تو سائیکل پر سوار ہو کر محض رکوع اور سجود پر ہی اکتفا کی جاسکتی ہے

اور یہی اس کے حق میں منشاءِ خداوندی ہوگا کیونکہ ع

اس کے الطاف بہت ہیں کہ نہنگ کا بہت

یہ ہے جناب پر ویز صاحب اور ان کی ہمدرد اور دل سوز جماعت کا  
نظریہ دربارہٴ زکوٰۃ، یہ بات بھی پر ویز صاحب کی گردن پر اُدھار ہے گی کہ ضرورت  
کے مطابق زکوٰۃ کا نصاب جو مرکزِ ملت تجویز کرے گا، کیا وہ ظنی ہوگا یا قطعی؟  
قطعی تو صرف قرآن کریم ہے اور بس؟ کیا مرکزِ ملت کا نام قرآن ہوگا؟ (العیاذ باللہ)  
اور اگر یہ مجوزہ نصاب ظنی ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ وہ اولتا بدلتا ہے گا تو ظنی چیز  
دین کیسے بن گئی؟

من نگویم کہ ایں مکن آں کن

مصلحت بین و کار آساں کن

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولایت

قرآن کریم کی نصوصِ صریحہ اور احادیثِ صحیحہ اور تمام اہل اسلام کا اس  
امر پر کلی اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت  
کا طرہ سے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے  
کہ جس میں کبھی کسی مسلمان کو شک و شبہ نہیں ہوا۔ مگر پر ویز صاحب قرآن کی  
صریح نصوص کو توڑ مروڑ کر اور ان میں ایسی ایسی تحریفات کا ارتکاب کر کے  
کہ اگر یہودی بھی ایسی تاویلات بعیدہ اور تحریفات کا سدہ کو دیکھ لیں تو یقیناً  
کہ پر ویز صاحب کو اپنا مرشد تسلیم کر لیں۔ اور مرکزِ ملت کا ایک قابلِ قدر فرد  
ہونے کے لحاظ سے ان کا احترام کرنے میں تو کوئی دقیقہ فرو گذاشت ہی  
نہ کریں۔

احادیث پر تو کوئی یقین ہی نہیں کیونکہ وہ محض ظن ہیں مگر انجیل پر پھر وہ

کرتے ہوئے پر ویز صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”غور فرمایا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق انجیل میں مذکور ہے کہ وہ

حضرت داؤد کی نسل سے تھا اور سلسلہ یوسف بخاری کی وساطت سے

حضرت داؤد تک پہنچتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان

نسب ناموں کی رو سے بھی حضرت مسیح یوسف کے بیٹے ہی قرار

پاتے ہیں“ (بلغظہ معارف القرآن جلد ۳ ص ۵۴۳)

اور پھر کافی طویل اور لاطالی بحث کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں کہ:-

”اب آئیے قرآن کریم کی طرف۔ اس میں یہ بالتصریح کہیں نہیں

لکھا کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی“ الخ

(معارف القرآن جلد ۳ ص ۵۴۶)

اور اس کے بعد قرآنی آیات کی ایسی کھلی اور واضح تحریف کی ہے کہ جس

سے یہود باوجود فنِ تحریف میں ماہر ہونے کے شرمناک ہیں۔ یہ الگ بات ہے

کہ پر ویز صاحب اور ان کی جماعت کو شرم نہ آئے۔

پر ویز صاحب! نہ معلوم آپ اتنے زود فراموش یا مفاد پرست

کیوں واقع ہوئے ہیں اور کیوں ع

تمہیں عادت ہے بھول جانے کی

آپ کو اپنا یہ فرمودہ نظریہ یاد نہیں رہا کہ:-

”آپ غور فرمائیے کہ قرآن کریم سے پیشتر کی تمام کتبِ سماوی کو

قرآن نے ظنی اور قیاسی قرار دے کر ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے“

(بلغظہ مقام حدیث حصہ اول ص ۵۶)

کیا انجیل ان کتبِ سماوی میں داخل نہیں؟ اور اگر داخل ہیں تو بقول شما

کیا قرآن نے انکو ظنی اور قیاسی قرار دے کر ناقابل اعتبار نہیں ٹھہرایا؟ اگر قرآن کریم نے اُن کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے تو آپ کو اُن سے استدلال و احتجاج کرنے کا حق کس نے دیا؟ کیوں دیا؟ کب دیا؟ اور کیوں کر دیا ہے؟

معاف رکھیے گا اگر آپ کا دعوت الی القرآن کا خوشنماغہ اور دلاویز پیکار (وجود حقیقت کلمۃ الحق ارید بہما الباطل کا مصداق ہے) اگر باہمی کے دانت نہیں جو کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور، تو آپ کو قول و عمل میں یکجہتی کا پورا پورا ثبوت دینا ہو گا۔ بقول کسے یہ دور ننگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا !

سر سر موم ہو سنگ ہو جا !

مخرف اور خود ساختہ اناجیل سے یوسف بخار کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ قرار دینا آپ کا ہی حصہ ہو سکتا ہے۔ جیسی شخصیت ایسا ہی عقیدہ اور جیسا عقیدہ ایسے ہی اس کے دلائل۔ پھر کئی کس چیز کی ہے؟ نظر بن ظاہر اناجیل کی یہ دلیل جناب غلام احمد ثانی نے غلام احمد اول سے لی ہے (دیکھتے کشی نوح ص ۱۰ وغیرہ) یا محمد علی صاحب لاہوری سے متعارف ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

م اور یہ یوسف بخار وہی ہے جو بروئے اناجیل و تاریخ و غالباً یہود کی تاریخ مراد ہوگی۔ کیونکہ اہل اسلام کی تاریخ میں تو تائید اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ صغدر حضرت مریم کے شوہر تھے (العیاذ باللہ) اور جن کے ساتھ مریم کا تعلق زوجیت یعنی میاں بی بی کا تعلق ہونا خود عیسائیوں کو مسلم ہے۔

(ملفوظ بیان القرآن جلد ۲ ص ۱۲۸)

یعنی قدانیوں، لاہوریوں اور پروڈیوں کو یہ کیوں نہ مسلم ہوتا۔ یہ تو خود عیسائیوں کو مسلم ہے تو پھر ان کے ساختہ پرداختہ اور کاسہ لیسوں کو کیوں مسلم نہ ہو؟ یہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یوسف بخار کے باپ ہونے کا ثبوت۔  
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔

سچ فرمایا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، تم یہود اور نصاریٰ کی موبو پیروی کرو گے، کیسا جو خدا نے ملا دیا ہے جیسی سوج ویسے فرشتے جا۔ یہ مدعی اسلام تو ہیں ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے

تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اور نہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلائل مسائل کے اثبات کی چندان ضرورت ہی ہے۔ مگر پروڈیز صاحب ہی یہ بتلا دیں کہ کرم زیش تیس مرتبہ قرآن کریم میں مسیح بن مریم کا ذکر آتا ہے (گویا اوسطاً ایک پارہ میں ایک دفعہ) اس کی کیا وجہ ہے کہ سائے قرآن کریم میں کہیں مسیح بن یوسف کہہ کر خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کی طرف منسوب نہیں کیا اور صرف مال ہی کی طرف ہر جگہ کیوں نسبت کی گئی ہے؟ آخر اس میں بھی ضرور کوئی خاص راز اور نکتہ تو ہو گا؟ اس راز داری اور پردہ پوشی میں آخر کیا حکمت مضمر ہے؟ کوئی حکمت ہوگی تو ضرور؟ آخر جا۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہ بھی یاد ہے کہ قرآن کریم کو نازل کرنے والا وہی خدا ہے جس نے اُدْعُوهُمْ لِدِينِهِمْ (کہ ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو) کا حکم دیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں اور کسی موقع پر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے (اس مضمون) باپ کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ اور ہر جگہ عیسیٰ ابن مریم اور مسیح بن مریم ہی کہتا ہے۔ یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ



اگر واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ ہوتا تو ان کی باپ کی طرف نسبت نہ ہوتی؟

یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ انسانی صورت میں متبل ہو کر حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے تنہائی میں پیش ہوا اور ان کو غلاماً زچہ سٹھرے لڑکے کی بشارت سنائی تو اس پر متعجب ہو کر حضرت مریم نے کہا کہ:-

قَالَتْ اَنۡیۡ یَّکُوۡنُ لِیۡ غُلَامٌ وَّ لَہٗ  
یَمْسُوۡحُۡنِیۡ بَشَرًا وَّ لَہٗۤ اَکْبَرُۢ  
قَالَ الَّذِیۡ جَاءَ بِکَ  
ہُوَ عَلٰی ہٰۤیۡنٍ وَّ رَکَّعَ لَہٗۤ اٰیۃٌ  
لِّلنَّاسِ وَرَحْمۃٌ مِّنَّا وَکَانَ  
اَمْرًا مَّقْضٰیًا (پط ۲۶: ۸)

کہا کہ کہاں سے ہو گا میرا لڑکا اور چھوٹا  
نہیں مجھ کو کسی آدمی نے اور میں بدکار بھی  
کبھی نہ تھی۔ وہ بولا پر نبی ہو گا پس راہ  
نے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اس کو  
لوگوں کے لیے نشانی بنا پا رہے ہیں اور  
مہربانی اپنی طرف سے اور یہ معاملہ طے ہو چکا

عادنا اولاد ملنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ حلال طریقہ سے کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس جائے اور یا وہ بدکاری کر کے اولاد حاصل کرے۔ لیکن حضرت مریم نے نہ یَمْسُوۡحُۡنِیۡ بَشَرًا اور نہ اَکْبَرُۢ کہا کہہ کر ان دونوں طریقوں کی نفی کرتے ہوئے تعجب اور حیرت کا اظہار کیا ہے اور فرستادہ خدا نے بھی کَذَّٰلِکَ فرما کر اسی موجودہ حالت میں (جو ان دونوں کے ماسوا ہے) لڑکا ملنے کی بشارت سنائی ہے اور پھر قدرت خداوندی کا حوالہ دیتے ہوئے اس امر کو کھینچ کر آسان اور نشانی اور طے شدہ حقیقت سے تعبیر کر کے معاملہ پر مہر ثبت کر دی ہے تاکہ کسی کو طے مغز کے ہاتھوں میں کوئی حجت اور دلیل باقی نہ رہے۔ باقی پر وزیر صاحب (دو غیرہ) کا قرآن کریم کے اس صریح اسلوب کو بجا کر اور

اس میں تحریف کر کے اس پر کسی صفات سیاہ کر دینا شاید ان کے نزدیک تو دلیل اور برہان ہو مگر قرآن کریم کی معمولی سمجھ رکھنے والے پر بھی یہ بالکل عیاں اور آشکارا اور اس میں کی قسم کا کوئی شک اور شبہ نہیں اور نہ اس کی کوئی گنجائش ہے کہ یہ قرآن کریم کی خالص تحریف، محض سینہ زوری، صریح بہتان اور سفید جھوٹ ہے جو کسی طرح بھی قابل سماعت نہیں ہے۔ ادبی زور، سلاست زبان اور انشاء پر دازی سے حقیقت کبھی نہیں بدلی جاسکتی اور نہ کسی مومن کو اس سے تسکین قلب حاصل ہو سکتی ہے۔ پر وزیر صاحب اور ان کی جماعت بڑے شوق سے طمانیت قلب کا سامان تلاش کریں۔ انہو اس جہاں میں بالکل آزادی ہے مگر ایک وقت آنے والا ہے کہ جس میں ایک ایک امر کی حقیقت منکشف ہو کر رہے گی اور

بوقت صبح شود ہم چور روز معلومت کہ باکہ باخت عشق در شب دیچور  
۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات

قرآن کریم کی آیات، متواتر احادیث اور تمام اُمت مسلمہ کے اتفاق و اجماع سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب وہ اپنے جسم غضری کے ساتھ زمین پر نازل ہو کر دجال لعین کو بدست خود قتل کریں گے اور پھر اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کریں گے۔ ہم اس مقام پر اس مسئلہ کے دلائل پیش نہیں کرتے۔ ہم نے اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا ہے اور اس پر بہت سے دلائل اور حوالے جمع کر لیے گئے ہیں۔ یہاں بلا تنقید صرف پر وزیر صاحب کا نظریہ ہی ان کی عبارت میں پیش کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ وہ قرآن کریم

بفضلہ تعالیٰ یہ رسالہ توضیح المرام فی نزول الیہ علیہ السلام اب طبع ہو چکا ہے

کی بعض آیات کی تحریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"ان تصریحات (نہیں بلکہ تحریفات۔ صفحہ ۱) سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے اب تک زندہ ہونے کی تائید قرآن کریم سے نہیں ملتی۔ قرآن کریم آپ کے وفات پا جانے کا بصراحت ذکر کرتا ہے۔"

(بلفظہ معارف القرآن جلد ۳، ص ۵۳۲)

اس صراحت کا ذکر ہم اپنے رسالہ میں کریں گے انشاء اللہ العزیز۔ سرت  
اتنا ہی کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ پرویز صاحب کا قرآن کریم پر یہ خالص بہتان  
اور سفید جھوٹ ہے لعنة الله على الكاذبين علامہ اقبالؒ نے ایسے ہی  
محررین کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ع

خود تو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

اور احادیثِ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"کوئی روایت جو حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دیتی ہے، وضعی اور

جھوٹی ہے جو ہمارے لیے سند نہیں ہو سکتی" (بلفظہ جلد ۲، ص ۵۵۵)

پرویز صاحب! حدیث کے سند ہونے نہ ہونے کا کیا سوال؟ آپ تو حقیقت

قرآن کو بھی سند نہیں سمجھتے ہم اس کی بہت سی نظریں خود آپ کی کتابوں سے

عرض کریں گے انشاء اللہ العزیز (یار زندہ صحبت باقی) ابھی ابھی آپ کے حوالے سے

یہ بات گذر چکی ہے کہ قرآن تمام پیشتر کتبِ سماوی کو غیر معتبر قرار دیتا ہے مگر

آپ ان کے بل بوتے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ثابت کرتے ہیں۔ بتائیے

قرآن کا حکم آپ کے لیے سند ہا؟ کیا خوب؟

چل جیتے آپ دل کو تڑپا کر

کون دیکھتے یہ بے بسی دل کی

۹۔ معراج شریف

قرآن کریم کی قطعی آیات اور متواتر احادیث اور اُمت کے متفقہ فیصلہ  
سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف ایک ہی رات  
میں بیداری کی حالت میں جسمِ عنصری کے ساتھ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے  
جایا گیا اور پھر وہاں سے عالم بالا اور سدرة المنتہی تک کی سیر کرائی گئی اور اسی رات  
عالمِ علوی میں نمازوں کی فرضیت بھی ہوئی اور کسی مُسلمان کو اس واقعہ کے صحیح  
تسلیم کرنے میں کبھی کوئی تاثر نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس مقام پر ہمیں معراج  
جسمانی کے دلائل پیش کرنے سے کوئی سروکار نہیں ہم نے اس پر ایک  
مستقل رسالہ ضوء السراج فی تحقیق المعراج یعنی چراغ فی روشنی لکھ کر  
اس کے مثبت اور منفی دلائل بیان کر دیے ہیں۔ وہ وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں  
صرف یہ بتانا منظور ہے کہ پرویز صاحب چرمی گویند۔

پہلے چونکہ بعض نام نہاد روشن خیال اور مدعیانِ عقل و غرور کے سامنے یہ اشکال  
تھا کہ انسان جب عنصری کے ساتھ مختلف گروں کو عبور کر کے آسمان تک کیسے  
پہنچ سکتا ہے؟ لہذا ان کے نزدیک یہی ایک وزنی دلیل تھی جس سے معراج جسمانی  
وغیرہ کا انکار کرنے پر وہ ادھار کھلتے بیٹھتے تھے۔ البتہ اس کی تعبیریں جدا جدا  
کی جاتی تھیں اور اب جب کہ سائنس کی موجودہ ترقی نے بڑے بڑے وزنی راکٹ  
(چارٹن یعنی تقریباً ایک سو آٹھ من کا مصنوعی راکٹ روس نے تین ہفتے ہوئے  
ہیں کہ فضا میں چھوڑا ہے) اور مصنوعی چاند اور سیارے فضا میں چھوڑ کر بلکہ چاند  
تک راکٹ بھیج کر اس میں اپنا جھنڈا تک نصب کر کے عقلی طور پر اس کا  
استبعاد دور کر دیا اور راکٹوں کے ذریعہ چاند تک انسان کا جانا بھی ممکن ثابت  
کر دیا ہے (اور اب تو لوگ اس سفر کے لیے سیٹیں بھی ریزرو کرنے کی فکر میں لگے

ہوتے ہیں) پرویز صاحب نے معراج جسمانی کے انکار پر پہلوانوں کی طرح پینسٹر اہل کمریوں ارقام کیا ہے کہ:-

”اگر آج سائنس کی کوئی ایجاد اس کا امکان بھی پیدا کرے کہ کوئی شخص روشنی کی رفتار سے مربع باہانہ کے کروں تک پہنچ جائے اور پھر چند ثانیوں میں واپس بھی لوٹ آئے تو میں پھر بھی حضورؐ معراج کو جسمانی نہیں تسلیم کروں گا اس لیے کہ میرے دعویٰ کی بنیاد ہی دوسری ہے اور وہ (جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے) یہ ہے کہ جسمانی معراج سے یہ تصور کرنا لازم آتا ہے کہ خدا کسی خاص مقام پر موجود ہے اور میرے نزدیک خدا کے متعلق یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔“  
 وبلغہ معارف القرآن جلد ۲ ص ۲۴۱ و مقام حدیث جلد ۲ ص ۳۱۱ و طلوع اسلام ص ۳۳ ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء

پرویز صاحب! جس شخص نے کسی چیز کے انکار ہی کی ٹھان لی ہو اس کو تسلیم کرنا کس کے بس میں ہے؟ مگر چلتے چلتے یہ تو بتا دیں کہ بَلَّ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ أَوِ الرَّجُلُ يَنْفَعُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى وغيرہ آیات میں یہ تصور پیدا نہیں ہوتا کہ خدا کسی خاص مقام میں موجود ہے؟ (یہ الگ بات ہے کہ یہ موجود ہونا اسی طرح سے ہو گا جو اس کی شان رفیع کے لائق اور مناسب ہو گا لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اور کیا خود قرآن ہی اس مفروض قرآنی تصور کے خلاف کچھ نہیں بتا رہا؟  
 چلے اگر یہ قرآنی تصور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بقول پرویز صاحب عالم بالانکسیر نہیں کرنے دینا تو آپ کے مسیاقصی تک جانے میں کیا اشکال ہو سکتا ہے؟ یاد ہاں تک جسم غصری کے ساتھ ایک ہی رات میں جا کر واپس

آنے سے بھی خدا تعالیٰ کا دہاں مقیم اور موجود ہونا ثابت ہوتا ہے؟

پرویز صاحب! آپ لگی لیٹی کیوں کہتے ہیں؟ صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ کچھ بھی ہو جائے، میں معراج جسمانی کو اس لیے تسلیم نہیں کرتا کہ میرے نزدیک جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسی معجزات کا کبھی صدور ہی نہیں ہوا۔ لہذا میری فہم مبارک اور دماغ شریف میں قرآنی بصیرت کے تحت معراج جسمانی کا واقعہ آہی نہیں سکتا۔ اس کا یہ دُور از کار بہانہ کیوں تلاش کیا گیا ہے؟ آپ کی پوری جماعت کا مقصد تو صرف ایک ہے کہ معراج جسمانی ثابت نہیں البتہ اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لیے بڑے بڑے دلائل کشید کیے گئے ہیں۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ نہ

دل فریبوں نے کہی جس سے نئی بات کہی  
 ایک سے دن کہا اور دوسرے سے رات کہی

#### ۱۰۔ حسی معجزات

تمام صحیح العقیدہ مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کئی ایک حسی معجزات عطا فرمائے تھے معراج جسمانی اور شوق قمر وغیرہ کے معجزات خود قرآن کریم میں مذکور ہیں اور آپ کے دیگر ظاہری اور حسی معجزات کا ذکر کتب حدیث اور تاریخ وغیرہ میں موجود ہے۔ الغرض آپ کے حسی معجزات کا قدر مشترک حصہ حد تو اتنا کہ پہنچا ہوا جس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے، جو دیدہ بصیرت محروم اور روحانیت سے یکسر عاری ہو۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:-

”گزشتہ صفحات میں جو تصریحات (نہیں بلکہ خالص تحریفات،  
 صدقہ) آپ کے سامنے آچکی ہیں، ان سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہوگی

کہ قرآن کریم نے کس شدت اور تکرار سے اس کی صراحت فرمادی ہے  
کہ نبی اکرم کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا اور حضور کا معجزہ صرف قرآن  
ہی ہے۔ (بلفظ معارف القرآن ج ۴ ص ۶۹)

یہ ہے پروفیز صاحب کی قرآنی بصیرت کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وآلہ وسلم کو کوئی حسی معجزہ دیا ہی نہیں گیا اور مغالطہ ان کو اس سے ہوا کہ مشرکین  
نے از روئے تعنت و عناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ فراموشی معجزات  
طلب کئے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر یہ بات واضح کر  
دی کہ معجزہ لانا نبی کا اپنا فعل نہیں کہ وہ جب چاہے لے آئے بلکہ یہ خدا تعالیٰ  
کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر کیا جاتا ہے۔ اس کی مزید تحقیق راقم کی  
کتاب راہ ہدایت میں ملاحظہ کیجئے۔

ان فراموشی معجزات کے نہ ظاہر ہونے سے اور اس سے کہ معجزہ نبی کا اپنا  
فعل نہیں ہوتا، یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ حسی معجزات کا آپ کے ہاتھ پر  
صدور ہی نہیں ہوا؟ یہ عجیب منطق اور انوکھی بصیرت قرآنی ہے جو پروفیز صاحب  
کو حاصل ہوئی ہے مگر اس کو کیا کیجئے کہ

ہے نہ اہل خرد تو بے خرد چمکے  
فروغ نفس ہو عقل کے زوال کے بعد

۱۱۔ آخرت

قرآن کریم اور اس کے علاوہ دیگر سب کتب سماوی اور تمام انبیاء کرام علیہم  
الصلوٰۃ والسلام اور اہل استنارہ ان کی ساری امتیں تا آنکہ اس امت مرحومہ کا بھی  
تائید و تائید اس امر پر کلی اتفاق رہا ہے کہ اس جہان کے بعد کوئی اور جہان بھی ہے ،  
جس کو شریعت کی اصطلاح میں بعث بعد المیت ، قیامت اور آخرت

وغیرہا کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے مگر اب منکرین حدیث نے دنیا اور آخرت  
جیسی مشہور دینی اور مذہبی اصطلاحات کا مفہوم بھی اپنے باطل اغراض و اہول کے مطابق  
کچھ اور گھڑ لیا ہے کہ دنیا کے معنی حاضر اور آخرت کے معنی مستقبل کے ہیں اور  
قرآن کریم میں جو یہ حکم ہے کہ اپنی آخرت کی فلاح و کامرانی کے لیے بھی کچھ خرچ  
کرتے رہو۔ تو اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سب کچھ اپنی موجودہ  
ضروریات پر ہی نہ صرف کر ڈالو بلکہ مستقبل کی ضرورت کے لیے بھی کچھ  
”بینک“ وغیرہ میں محفوظ کر لیا کرو۔

نیا ز صاحب کا یہ نظریہ تو آپ پہلے پڑھ ہی چکے ہیں کہ :-

”ہر چند دوسرے عالم سے حیات بعد المیات کا عالم مراد لینا میرے  
نزدیک درست نہیں اور اس سے مقصود صرف یہ کہنا ہے  
کہ کوشش کرتے رہو اگر آج نہیں تو کل کامیاب ہو گے“

(من و ہدایان، حصہ دوم ص ۲۲۳)

اور اب آپ پروفیز صاحب کا نظریہ ملاحظہ کیجئے کہ آخرت سے وہ کیا مراد  
لیتے ہیں کہ :-

”یہی وجہ ہے کہ قرآن ماضی کی طرف نگاہ رکھنے کے بجائے ہمیشہ  
مستقبل کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ اسی کا نام ایمان بالآخرت  
ہے اور یہ بجائے خویش بہت بڑا انقلاب ہے جسے رسالت  
محمدیہ نے انسانی نگاہ میں پیدا کیا، یعنی ہمیشہ نگاہ مستقبل پر رکھنی  
وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (بلفظ طلوع اسلام ص ۲۹، اکتوبر ۱۹۵۵ء)  
عجمی سازش

حدیث کے بارے میں پروفیز صاحب لکھتے ہیں کہ :-

” مثلاً یہ عقیدہ کہ قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل کچھ اور بھی ہے (مثلاً معنہ) اور یہ وہ مجموعہ روایات ہے (الی ان قالہ) جیسے نزدیک یہ عقیدہ خالص عجم کی سازش کا نتیجہ ہے“ ۱۱

(طلوع اسلام ص ۳۲، اپریل ۱۹۵۲ء)

حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تو پر دیز صاحب کے نزدیک عجی سازش کا نتیجہ ہے مگر پر دیز کا لقب خود ان کا وجود ان کی زندگی، ماری زبان اور سب ماحول غالباً خالص عربی ہو گا۔ رہی ان کی بصیرت قرآنی (جو خالص مغربی ذہن کی پیداوار ہے) تو اس کے عربی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ ۱۲

یہ ہیں پر دیز صاحب کی فہم قرآن اور بصیرت قرآنی کے کچھ گوبر پائے جو ہم نے بطور نمونہ عرض کئے ہیں اور نہ ان کی تمام کتابیں اور مضامین یہاں ہی باطل نظریات اور طحڑانہ افکار پر مشتمل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پر دیز صاحب قرآن کریم کی پیش کردہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی شریعت کے مقابل میں ایک متوازی شریعت قائم کرنے کی فکرمیں ہیں مگر دعوت الی القرآن کی خوش آئند پکار اور اردو ادب اور انشاء کی رگم کمانی کے دام ہمزنگ زمین میں بعض سادہ لوح اور دین و آخرت سے بے فکر برائے نام مسلمانوں کو پھانسنے کے وسیع مشاق اور تجربہ کار ہیں۔ ارادہ تو تھا کہ ان کے بہت کچھ اور باطل نظریات بھی قارئین کرام کے سامنے پیش کئے جاتے مگر قسمت تین چار چیزیں اور عرض کر کے ان پر اکتفا کی جاتی ہے کیونکہ

اندکے باتومی گفتنم و غم دل تریدم کہ آزرده شوی و گرنہ سخن بسیار است۔

## ۱۲۔ اطاعت رسول

آفتاب نمرود کی طرح یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ جب اطاعت رسول کے اصول کو تسلیم کر لیا جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور حدیث شریف کی پیروی سے بھی کوئی مفر نہیں ہے اور بار بار قرآن کریم میں وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وغیرہ کے صریح الفاظ سے اطاعت رسول کو تسلیم کرنا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا مسلمانوں کا اہم فریضہ بتایا گیا ہے لیکن جب بزرگم خود دور حاضر کے مبصر قرآن پر دیز صاحب نے یہ دیکھا کہ اطاعت رسول جیسی بھاری چٹان کو راستہ سے ہٹاتے بغیر حدیث کا انکار بہت مشوار ہے تو اس وزنی چٹان کو ہٹا کر انکار حدیث کا راستہ ہموار کرنے کی کئی بے وزن اور بے وقعت دلیلیں ان کو سوچیں جن سے غالباً وہ خود بھی مطمئن نہ ہوں۔ ان سے بھلا دوسروں کو کیسے تسکین حاصل ہو سکتی تھی؟ اس لیے انہوں نے ان سے صرف نظر کرتے ہوئے ستر دلیل کی ایک دلیل اور ہزار برہان کا ایک برہان پیش کر کے اطاعت رسول کی وزنی چٹان سے گلو خلاصی کرنے کی بے چال سعی کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

” قرآن یہ کہنے آیا تھا کہ اور تو اور کسی رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انسانوں سے اپنی اطاعت کر لے۔ وہ خود بھی احکام خداوندی کی اطاعت کرتا ہے“ (مقام حدیث جلد ۱ ص ۶۲)

پر دیز صاحب ہی از راہ دیانت و انصاف یہ بتلا دیں کہ یہ کس قرآن میں ہے کہ اور تو اور کسی رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انسانوں سے اپنی اطاعت کر لے۔

قرآن کریم میں تو یہ صریح حکم موجود ہے کہ:-

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا طِيعًا  
 بِإِذْنِ اللَّهِ (پٹ۔ النساء)  
 اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر صرف  
 اس لیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس  
 کی اطاعت کی جائے۔

قرآن کریم تو صاف طور پر یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول ایسا بھیجا  
 ہی نہیں جو خدا تعالیٰ کے حکم سے مطاع بن کر نہ آیا ہو اور انسانوں پر اس کی اطاعت  
 ضروری نہ ہو۔ یہ الگ اس ہے کہ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے مگر بحال  
 رسول ہے تو مطاع ہی۔ پرویز صاحب! کیا یہ قرآنی حکم نہیں ہے؟ کچھ تو کشتائی  
 فرمائیے۔ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ، دیکھا آپ نے پرویز صاحب نے اپنے اس باطل  
 نظریہ کے لیے کہ حدیث دینی حجت نہیں، کس طرح واشکاف الفاظ میں قرآن کریم  
 کی بغاوت کی ہے۔ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ ہر رسول مطاع ہوتا ہے اور انسانوں پر  
 اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس اور برعکس پرویز صاحب  
 کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن یہ کہنے آیا تھا کہ اور تو اور کسی رسول کو بھی یہ حق حاصل  
 نہیں کہ انسانوں سے اپنی اطاعت کر لے۔

یہ ہے پرویز صاحب کی بصیرت قرآنی، حیف ہے اس بصیرت پر  
 ۛ بریں عقل و دانش بباہر گریست

نظر بہ ظاہر پرویز صاحب پر جب بصیرت قرآنی کا غلبہ ہوا تو ان کو  
 اطاعت اور عبادت (جس کے معنی بندگی کے آتے ہیں) میں فرق ملحوظ نہ  
 رہا اور ان کا ذہن مبارک معاً اس مضمون کی طرف منتقل ہو گیا، جس میں آئے  
 کہ کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتاب، احکم اور  
 نبوت عطا فرمائی ہو کہ پھر وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ کُونُوا عِبَادًا لِلَّهِ  
 تم میرے بندے ہو جاؤ۔ اگر پرویز صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ عبادت

اور اطاعت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نفی عبادت کی ہے اور اثبات  
 اطاعت کا ہے۔ ۛ

سخن شمس نہ دلبر خطا اینجا است

۱۳۔ امام بخاریؒ پر صریح بہتان

حضرت امام بخاریؒ کی صحیح بخاری کے علاوہ ایکس کتابیں ہیں جن میں الجامع  
 الکبیر، المستند الکبیر، کتاب الوحدان، بدواللہین، اور ادب المفرد  
 وغیرہ تو خالص حدیث کی کتابیں ہیں۔ صحیح بخاری میں انہوں نے تقریباً چھ لاکھ  
 احادیث میں سے ضرورت کے مطابق انتخاب فرما کر حسب تحقیق حافظ ابن حجرؒ  
 (المتوفی ۸۵۵ھ) اور امام نوویؒ وغیرہ ۲۷۵، اور غیر مکرر ۳۰۰ حدیثیں نقل کی ہیں۔  
 جو حدیثیں انہوں نے بخاری شریف میں درج نہیں کیں، ان میں بھی بیشتر ان کے  
 نزدیک صحیح تھیں۔ چنانچہ المحافظ ابو الفضل بن طاهرؒ لکھتے ہیں کہ۔

انہما ترکا کثیراً من الصحیح امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے بہت سی صحیح  
 الذی حفظا (کتاب الشروط الاثنی عشر) حدیثیں جو ان کو یاد تھیں صحیحین میں درج نہیں کیں۔  
 اور امام حاکمؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ شیخین (امام بخاریؒ و مسلمؒ)  
 نے صحیحین میں تمام صحیح روایت کا استیعاب نہیں کیا۔ (مستدرک ص ۷) اور  
 امام نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:-

فانہما لم یسلما استیعاب الصحیح امام بخاریؒ و مسلمؒ نے تمام صحیح حدیثوں کے استیعاب  
 بل صحیح عنہما تصدیقہما بانہما ۛ کا التزام نہیں کیا بلکہ ان کی اپنی تصریح صحیحین  
 لم یستوعبا وانما قصدا ۛ سے ثابت ہے کہ ہم نے (صحیحین میں) سب صحیح  
 جمیع جمل من الصحیح ۛ حدیثیں درج نہیں کیں بلکہ ان کا مقصد تو صحیح  
 (المقدمۃ للامام النووی ص ۱۱) حدیثوں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا تھا۔



علامہ عبدالعزیز فرمادیں المتوفی بعد ۱۲۳۹ھ لکھتے ہیں کہ:-

بان الشيخين لم يقصد احص  
المصاح في الصحيحين بل قد  
وجد عنهما التصريح بعدم الحصر  
مصححين ہی میں بند نہیں کر دیا بلکہ ان دونوں  
سے اس کی تصریح آئی ہے کہ صحیح حدیثیں  
(کوثر النبی ص ۱۷۱)

بلکہ حافظ ابن حجر شیح الاسلام حافظ اسماعیلی المتوفی ۸۵۲ھ کی سند سے اور  
علامہ ابوبکر الحازمی المتوفی ۵۸۷ھ اپنی سند کے ساتھ خود امام بخاری سے یہ تفصیل  
کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:-

لم اخرج في هذا الكتاب  
صحيحاً وما تركت من الصحيح  
فمروا ثلثه مرة بعد اقله الباری  
طبع المنيرة مصر وشرط الاصل  
الخمس طبع مصر ۹۹ للحازمی

ان تمام محسوس اقتباسات سے یہ معلوم ہوا کہ نہ تو حضرت امام بخاری اس  
کے قابل تھے کہ جو حدیثیں صحیح بخاری میں درج نہیں ہیں وہ ضعیف اور مسترد  
ہیں اور نہ محدثین کرام ہی یہ سمجھتے ہیں بلکہ امام بخاری کی اپنی تصریح سے یہ بات  
ثابت ہو گئی ہے کہ الجامع الصمیم کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو صحیح  
ہیں اور امام بخاری ان کو صحیح ہی کہتے ہیں لیکن اس کے برعکس پاکستان کے  
مبشر قرآن جناب پرویز صاحب شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر یوں لکھتے  
ہیں کہ:-

امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثیں اکٹھی کیں یعنی جو لوگ ان کے سامنے

موجود تھے، ان سے سنیں اور اس کے بعد اپنی بصیرت کے مطابق  
ان میں سے پانچ لاکھ ستانوے ہزار کو ناقابل اعتبار سمجھ کر مسترد  
قرار دے دیا اور بقیہ اربعین ہزار کے قریب اپنی کتاب میں مندرج کر لیں  
(بلفظ مقدم حدیث ۱ ص ۵)

یہاں یہ لکھا ہے اور دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں کہ:-  
”چنانچہ امام بخاری نے قریب چھ لاکھ روایات میں سے پانچ لاکھ  
چورانوے ہزار کو مسترد کر دیا اور قریب چھ ہزار احادیث کو اپنے لیے  
درج کیا“ (بلفظ مقدم حدیث جلد ۲ ص ۳۲۳)

اس کو کہتے ہیں تحقیق، دیانت، انصاف، ریسرچ اور بصیرت قرآنی  
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہ۔ اگر وہ ادب میں مہارت کیا حاصل ہوئی کہ گے  
پرویز صاحب تاریخ کی ٹانگ توڑنے۔ مگر یاد ہے کہ کب  
نہر کہ موئے برا فروخت دلبری داند

۱۴۔ مذہب کا تصور

مسلمانوں کا مذہب اور دین جو قرآن کریم اور احادیث پر مبنی ہے،  
ایک اعلیٰ صداقت کا حامل ہے اور حق مذہب ہے۔ اسی پر نجات اخروی ہوتی  
ہے۔ اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ لیکن پرویز صاحب بلا استدلال  
تمام مسلمانوں کے مذہب کو غلط تصور کرتے ہیں اور اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ  
پھینکنے کے درپے ہیں۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:-

”میری قرآنی بصیرت نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ جو  
تصور آج کل مذہب کا لفظ پیش کرتا ہے۔ وہ تصور قرآن  
کے خلاف ہے۔ میرے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ میں مسلمانوں

پر واضح کردوں کہ مذہب کا جو تصور اُن کے ذہن میں ہے وہ قرآنی تصور نہیں۔ (بلفظ مقام حدیث ج ۳ ص ۳۱۳) اور حاشیہ پر لکھا ہے کہ ان امور کی تفصیل کے لیے دیکھئے "اسباب زوال اُمت" جو دورِ حاضر کا انقلابِ آفرین مقالہ ہے (انتہی بلفظ)

دین اور مذہب کا اختراعی فرق ملحوظ رکھ کر مذہب کے فرار اختیار کرنے کا پورا دروازہ اپنے لیے کھلا چھوڑنا بمقترا قرآن ہی کو زیب دیتا ہے۔ آپ خیران ہوں گے کہ پرویز صاحب مسلمانوں کے اس غلط تصور کو مٹا کر کون سا طریقہ اُن کو بتانا چاہتے ہیں؟ اور کن مسلمانوں کے ساتھ ان کا تعاون و اشتراک ممکن ہو سکتا ہے؟ مگر اس کا جواب بھی خود پرویز صاحب ہی اپنی بصیرت قرآنی کے تحت "میری دعوت" کا عنوان قائم کر کے یہ دیتے ہیں کہ:-

"اگر میری اس دعوت کی مخالفت ہوتی ہے تو اس میں کوئی چیز وجہ تعجب نہیں۔ اس لیے کہ میری دعوت لوگوں کے ساتھ ساتھ چلنے کی نہیں، بلکہ انہیں اُن کی موجودہ روش سے روک کر دوسری راہ پر لے جانے کی ہے۔ مخالفت اس کی نہیں ہوگی جو ان کی روش کی تائید کرے گا لیکن جو انہیں اس روش سے روکے گا۔ اس کی مخالفت ناگزیر ہے۔"

(بلفظ مقام حدیث جلد ۲، ص ۳۱۴)

مطلب بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں کا مذہب، اُن کی راہ اور ان کی روش بالکل جدا ہے اور پرویز صاحب کی بالکل الگ ہے، وہ مسلمانوں کو اپنی راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں جس کا کچھ خاکہ آپ کے سامنے آچکا ہے اور مسلمان اس میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ مخالفت ناگزیر ہے۔ پھر مصالحت کیسے ہو

اور کیوں ہو؟

زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے

۱۵۔ تفاسیر کا حکم

تمام مسلمان اس کے قابل ہیں کہ قرآن کریم کی وہی تفسیر درجہ اول پر معتبر ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، جو کتب حدیث کے ابواب التفسیر وغیرہ میں آتی ہیں۔ مگر چونکہ اُن کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد پرویز صاحب اپنے محض ذاتی اور اختراعی رائے سے تفسیر نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے راستہ کے اس روڑے کو یوں ہٹانے کی کوشش کی ہے کہ "علوم قرآنی کی یہ تفاسیر یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیں ہی نہیں۔ یونہی وضعی طور پر آپ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں اور یا اگر کوئی ان کی صحت پر اتنا ہی اصرار کرے تو زیادہ سے زیادہ کہا جائے گا کہ آپ نے پوچھنے والے کی ذہنی سطح کے مطابق جواب دیدیا تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اول الذکر صورت ہی کو صحیح مانتا ہوں۔"

(کہ یہ نری وضعی ہیں۔ صقدر) (مقام حدیث ج ۲ ص ۳۱۴)

⑧

## تمنا صاحب عادی پھلوروی

منکرین حدیث میں تمنا عادی صاحب کا مقام بہت اونچا ہے وہ اس جماعت میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور ان کی جماعت کے خیال میں اُن کو اسماء الرجال اور طبقاتِ روات پر گہرا اثر عین مطالعہ حاصل ہے اور یہ ایک بالکل حقیقت ہے کہ وہ محض سینہ زوری اور طباعی

سے بات کا بتنگزبانے میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں اور اپنے ذہن میں ہوا آئی قلعے تعمیر کر کے ان میں پناہ گزین ہوتے ہیں اور روات کے بارے میں زمین و آسمان کے خوب قلابے ملاتے ہیں اور اس فن میں ان کو ایسا کمال حاصل ہے کہ تاریخی طور پر جو دو دشمن خاص بالکل الگ الگ قوم اور نسب، وطن اور زمانہ میں گھڑے ہوں، مداری کی طرح ان کو ایک ثابت کرنا ممتنا صاحب کے بایں ہاتھ کا کرتب ہے۔

۱۔ جمع احادیث

تمام اہل اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؓ اور اتباع تابعینؓ نے پوری محنت اور مشقت خالص دینی جذبہ اور ولولہ، کامل خلوص اور قلبیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو اپنے سینوں میں اور سفینوں میں محفوظ رکھا ہے اور بیحد جرأت اور بہادری سے انہوں نے یہ اعانت عظمیٰ امت پر عزم و تہمت پہنچائی ہے۔ مگر عمادی صاحب جمع احادیث کا مقصد یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ منافقین عجم کی سازش کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

”اور منافقین عجم نے اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع کرنا چاہا تاہذا نہیں منافقین عجم کے آمادہ کرنے سے اس وقت خود ابن شہاب کو خیال ہوا کہ ہم حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں قریہ مدینہ پہنچے اور کوفہ بھی، اور مختلف مقامات حدیثیں حاصل کیں اور پھر بیسویں صدیوں کے ساتھ :-

(ملاحظہ طلوع اسلام، ماہ ستمبر ۱۹۵۰ء ص ۷۸)

اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ :-

”انہیں منافقین عجم کی ایک جماعت نے اپنا رسوخ فی الدین

اور ظاہری زہد و تقویٰ دکھا کر ابن شہاب زہریؒ کو جمع احادیث پر آمادہ کیا۔ یہ اپنے تجارتی ذرائع کی کاروبار کی وجہ سے اپنے وطن مقام ایلم میں رہا کرتے تھے۔ مگر ایک بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر اس ہم پر آمادہ ہو گئے اور ۱۱۰ھ کے بعد مدینہ آکر یہاں کے لوگوں سے حدیثیں لیں اور پھر کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ مقامات سے بھی حدیثیں حاصل کیں اور ہر راہ چلتے سے جو حدیث بھی مل جاتی، لکھ لیتے اور یاد کر لیتے۔ اور وہی منافقین خود بھی پھر ان کے پاس آکر حدیثیں لکھوانے لگے اور دوسرے وضائیں کذاہیں کو ان کے پاس بھیج بھیج کر ان سے بھی حدیثیں ان کے پاس جمع کرانے لگے :-

(طلوع اسلام ص ۵، ماہ ستمبر ۱۹۵۰ء)

اور امام زہریؒ کے متعلق کئی صفات اس پر سیاہ کر دیے ہیں کہ وہ عربی نہ تھے بلکہ عجمی تھے، کیونکہ نہ تو شہاب نامی کوئی آدمی ان کے اکابر میں تھا اور نہ ہی زہری کا خاندان قریشی تھا۔ بلکہ وہ ایلم میں رہتے تھے جو شام کے قریب بحر قزقم کے ساحل پر واقع ہے اور ان کی قبر زاریں ہے جو نواحی مرقند میں ہے۔ آگے خود ان کے الفاظ میں سنئے :-

”معرض نہ مدینہ طیبہ کبھی ان کا یا ان کے آباء و اجداد کا وطن رہا نہ انہوں نے وہاں وفات پائی اور نہ ہی وہاں دفن ہوئے :-

(ملاحظہ طلوع اسلام ص ۷۸ ستمبر ۱۹۵۰ء)

اور پھر آگے لکھا ہے کہ :-

”کیونکہ ۱۱۰ھ سے پہلے تحصیل احادیث کے لیے تک مدو شہر شہر اور قریہ قریہ کی دور کا دستور نہ تھا نہ کسی کو اس کی ضرورت محسوس

ہوئی تھی منافقین عجم کے قال رسول اللہ، قال رسول اللہ صلعم کے مفسدانہ شوق سے اہل حق کے کان بھر گئے تھے اور کتنوں نے برسیل تذکرہ بھی روایت حدیث ترک کر دی تھی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا واقعہ کف اللسان میں مذکور ہوا ہے۔  
 (تمنا صاحب بجائے تنکوں کا سہارا لینے کے صحاح ستہ ہی میں دیکھ لیتے کہ حضرت ابن عباسؓ حدیث کے پر زور روایت کرنے والوں میں تھے یا ترک کرنے والوں میں۔ مصداق غرض جب سلسلہ سے پہلے حدیثیں لوگوں سے نہیں تو ان میں زیادہ تر وہی حدیثیں ہوں گی جن کو انہوں نے منافقین عجم ہی سے سنا ہو گا چاہے وہ ان کا نام لیں یا نہ لیں؛ (طلوع اسلام ص ۱۹۵ ستمبر ۱۹۵۰ء)

یہ ہیں وہ علمی جواہر پائے جو تمنا عمادی صاحب نے صفحہ قرطاس پر ثبت فرمائے ہیں اور طلوع اسلام نے ان کے یہ عمل و گوہر اہل علم کی ضیافت طبع کے لیے پیش کئے ہیں اور جن پر منکرین حدیث کو بڑا ناز ہے کہ ہم نے محقق نے حدیث کی بنیادیں ہی کھوکھلی کر کے رکھ دی ہیں۔ اب ہم عوام کو یہ سمجھانے کے قابل ہیں کہ واقعی حدیث کا پس منظر اور پیش منظر اسرار ہے۔ لیکن ایک سمجھ دار اور منصف مزاج آدمی جس کے دل میں خوف خدا اور فکر آخرت کے ساتھ اسلام اور اسلامی آئینہ سے کچھ بھی لگا دے وہ بھلا ان بے معنی باتوں اور لالچوں و دلیلوں سے کب متاثر ہو سکتا ہے۔ وہ تو صرف یہ کہ کمر مسکا دے گا کہ ۱۰۰۰۰ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا صحیح نفس الامری اور خارجی مصداق ہے۔

تدوین حدیث

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں بعض صحابہ کرام آپ کی

احادیث کو قید کتابت میں لاکر قلمبند کرتے تھے اور متعدد صحیح اور غلط دلائل اس کے ثبوت پر موجود ہیں لیکن صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو آپ کی حدیثوں کو زبانی یاد کیا کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسی طرح ان سے لوگ بھی احادیث کو حفظ یاد کریں۔ یہی طریقہ بعض تابعینؓ میں رائج تھا لیکن جب لوگوں کی ہمتوں میں کمی اور ان کے جذبہ میں کوتاہی کا سلسلہ شروع ہوا اور ائمہ اسلام کو اس کا خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ نعمت وافرہ اور دولت عظمیٰ ضائع ہی نہ ہو جائے تو انہوں نے احادیث کو لکھ کر محفوظ رکھنے کا طریقہ ہی بہتر سمجھا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ پہلے ہر مسلمان اعتقاداً و عملاً، قولاً و فعلاً، عادی و سیاستہ ایک مجسمہ سنت ہوتا تھا اور حدیث کے باقی رکھنے کا سب سے عمدہ طریقہ ان کے نزدیک عمل کے علاوہ حفظ بھی تھا چنانچہ انہوں نے انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ حدیثیں یاد کیں اور پھر وہ دوسروں کو یاد کرتے اور وہ لکھنے کو اس لیے پسند نہیں کرتے تھے کہ اس طریق پر لوگ محض کتابت پر آسرا کر کے حفظ جیسی ضروری چیز سے کہیں غافل ہی نہ ہو جائیں۔

اگر محض کتابی شکل میں کبھی چیز کا مرتب اور مدون ہونا ہی اس کی حفاظت کا کافی ذریعہ سمجھا جائے تو اس دور میں جب کہ قرآن کریم کی عمر سے عمدہ کتابت اور شیرازہ بندی کی جاتی ہے لوگ عمر کا بہترین حصہ صرف کر کے اس کے یاد کرنے اس کو بار بار دہرانے اور دہرانے اور ایک دوسرے کو سنانے اور سننے کی زحمت گوارا نہ کرتے اور نہ یہ عیبت کام ان سے سرزد ہوتا (العیاذ باللہ) اور اگر صرف کتابوں پر ہی اعتماد اور بھروسہ کافی سمجھا جاسکتا تو مختلف علوم و فنون میں مضہین لوگ زبانی یاد کرنے ضروری نہ قرار دیے جاتے مگر سچی جانتے ہیں کہ کتابوں کے علاوہ ان کے چیدہ چیدہ اور اہم مضامین لوگ زبانی یاد کرنے بھی ہر ملک میں ضروری سمجھے جاتے ہیں اور کوئی احمق بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) اپنی مشہور تالیف میں لکھتے ہیں کہ:



تفوق پر تمام اہل السنۃ والجماعت متفق ہیں۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کو خلیفہ راشد حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؓ کی طرف سے تدوین حدیث کا فریضہ سپرد ہوا ہے جو انہوں نے نہایت کوشش اور کاوش اور پوری دیانت داری سے انجام دے کر تمام امت مرحومہ سے داد تحسین حاصل کی ہے۔ اور جو تمام محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ کے ہاں مسلم اور معتبر شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے اکابر میں شہاب نامی شخص تھا اور وہ خود الزہری المدنی القرشی بھی تھے۔ ان تمام امور کو ذہن نشین کرتے ہوئے آپ تمنا سماعی صاحب کی بے تکیاں اور دور از کار موشگافیاں بھی ملاحظہ کریں جو درحقیقت اس کا مصداق ہیں کہ

بک رہا ہوں جنوں میں کی کیا  
کچھ نہ سمجھے خدا کے کوئی

کہ نہ تو ان کو امام زہریؒ کے اکابر میں شہاب نظر آسکا ہے اور نہ القرشی اور المدنی کی واضح تہنیتوں پر ان کی نگاہ جم سکی ہے۔ اور ملاحظہ کیجئے کہ سماعی صاحب کس طرح شملہ پہاڑی کی طرح خود ساختہ اور خود تراشیدہ گھٹیاں بنانا کہ ان پر چڑھتے ہیں، مگر قدرتی اور تاریخی گھاٹیوں کے قریب نہیں پھٹکتے۔ یہ ہیں منکرین حدیث کے ناقدر رجال اور عالم طبقات۔ فواہ اسف۔

یہ یاد ہے کہ یہ وہی تمنا صاحب ہیں کہ جو یہ لکھتے ہیں کہ:-  
”فن رجال کی کوئی گھاٹی غالباً مجھ سے چھوٹی نہیں ہے۔“

(مقام حدیث جلد دوم ص ۲۵)

دیکھا آپ نے کہ علامہ ذہبیؒ اور حافظ الدین ابن حجرؒ وغیرہ مسلم ناقدین رجال اور واقعین طبقات روایت کی گھاٹیوں سے تمنا صاحب کی کس طرح نظر چوک گئی ہے۔

۴۔ سفید جھوٹ ۱۔

تمنا صاحب لکھتے ہیں کہ مثلاً معہ والی حدیث موضوع و مکذوب صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ (مقام حدیث جلد دوم ص ۲۶)

جو شخص حدیث کے ذخیرہ کو تسلیم نہیں کرتا یا سب کو موضوع اور مکذوب اور منافقین عجم کی سازش کا نتیجہ قرار دیتا ہے تو اس کو اپنے اس خود ساختہ قاعدہ کے تحت اس حدیث کو بھی موضوع اور مکذوب ہی کہنا چاہیئے۔ بحث اس سے نہیں ہے۔ اور نہ ہم اس حصہ میں اس موقع پر ان پر کوئی گرفت کرتے ہیں بحث صرف اس سے ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ حالانکہ الاوانی اؤتیت الکتاب ومثلاً معہ، الخ صحاح ستہ کی مرکزی کتاب ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۶۹ میں موجود ہے۔

۵۔ منہ احمد

تمام محدثین اور مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ منہ امام احمد بن حنبلؒ خود انہیں کی تصنیف ہے جس میں بقول ابن خلدونؒ (المتوفی ۸۰۵ھ) پچاس ہزار حدیثیں ہیں۔ چونکہ امام موصوف حدیث، فقہ اور دیگر تمام علوم میں یکماتے روزگار تھے نیز مسند خلق قرآن میں یکے بعد دیگرے تین حکومتوں کی طرف سے کم و بیش اکیس سال ظلم و ستم بھی اٹھاتے رہے اور بسا اوقات یہاں تک اُن کو لو لہان کیا گیا کہ سارا بدن ہی خون آلود ہو گیا۔ مگر اسی حالت میں وہ باقاعدہ نماز پڑھتے رہے۔ اس وجہ سے بھی لوگوں میں ان کی ذات اور ان کی تالیف کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔ لیکن تمنا صاحب یوں ارقام کرتے ہیں کہ:-

”بخلاف منہ امام احمد کے یہ ایک خالص اجتماعی سازش کے ماتحت جمع کی گئی اور اس کے جامعین کی غرض ہی یہی تھی کہ اس کو جس طرح بھی ہوا



خاص امام احمدؒ کی تالیف ثابت کر کے رہیں اور اس کا اہتمام امام احمدؒ کی وفات کے کچھ بعد ہی سے نہیں بلکہ عجب کیا ہے کہ ان کی گوشہ نشینی کے وقت ہی سے اس کی تالیفی داغ بیل دی گئی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب: (مفہم طبع اسلام ص ۶، اگست ۱۹۵۵ء، مضمون منہ امام احمد بن حنبلؒ)

یہ ہے منہ امام احمد بن حنبلؒ کی حیثیت اور پوزیشن کو ختم کرنے کی وہ لاجواب دلیل اور برہان، جو منکرین حدیث کے مرد آمہنی اور فولادی نے پیش کی ہے۔ جن سے اسد الرجال اور تحقیق کی غالباً کوئی گھائی نہیں چھوٹی۔ اگر منکرین حدیث کے بڑوں کا یہ عالم رہا تو ع کارِ طفلان تمام خواہ شد

#### ۶۔ تفسیر ابن جریرؒ

تمام ائمہ اہل السنۃ والجماعت اور محدثین کا اس پر کلی اتفاق ہے کہ تمام تفسیروں میں امام ابن جریر طبریؒ کی تفسیر درجہ اول میں صحیح اور معتبر ہے اور وہ بہت بڑے پایہ کے محدث، مفسر اور امام تھے۔ چنانچہ امام خطیبؒ لکھتے ہیں کہ "وہ أحد الأئمة العلماء تھے اور ان کی رائے پر فیصلے طے ہوتے تھے" (بغدادی ۲۰ ص ۱۶۳)

علامہ ذہبیؒ ان کو امام العلم المنفرد الحافظ لحد الاعلام اور صاحب تصانیف کثیرہ لکھتے ہیں۔ اور نقل کرتے ہیں کہ "وہ بڑی معرفت اور فضیلت کے مالک تھے۔ تمام علوم میں وہ اپنے معاصرین پر فائق تھے۔ اقوال صحابہ و تابعین کے جاننے میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے" نیز لکھتے ہیں کہ "تفسیر ابن جریر جیسی کوئی تفسیر آج تک نہیں لکھی گئی" (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲، ص ۲۵۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ تمام تفسیروں میں صحیح ترین اور قابل اعتبار

تفسیر محمد بن جریر طبریؒ کی ہے۔ کیونکہ وہ صحیح اور ثابت اسانید کے ساتھ سلف صالحین کے اقوال نقل کرتے ہیں اقوال بھی ایسے نقل کرتے ہیں جن میں بدعت کی مطلقاً پوشیدہ ہوتی۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲ ص ۱۹۲) نیز وہ تصریح کرتے ہیں کہ "تمام تفسیر میں سے ابن جریرؒ کی تفسیر ہی صحیح ترین تفسیر ہے" (فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۹۲ ص ۱۹۲) ابو حامد اسفرائینیؒ کہتے تھے کہ "اگر کوئی شخص ملک چین کا سفر محض اس لیے اختیار کرے کہ وہاں سے تفسیر ابن جریر حاصل کر کے لائے گا تو یہ سفر اس کے لیے کوئی مدنگانہ ہوگا۔"

امام الائمہ ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں کہ مجھے سطح زمین پر کوئی ایسا شخص معلوم نہیں جو (فن تفسیر میں) ابن جریرؒ سے بڑا عالم ہو۔

حافظ ابن القیمؒ ان کو حقہ تفسیر، حدیث، تاریخ، لغت اور نحو وغیرہ کا امام لکھتے ہیں۔ (اجتماع جہوش الاسلامیہ علی غزو الملعطۃ والجمہیۃ ص ۵۲ لابن القیمؒ) نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:-

اجمعت الامۃ علی انہ لم یصنف تمام امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تفسیر ابن جریر جیسی کوئی اور تفسیر تصنیف نہیں کی گئی۔

ان تمام اقتباسات امام ابن جریرؒ کی شخصیت اور ان کی تفسیر کا رتبہ اور درجہ با آسانی ایک منصف مزاج آدمی سمجھ سکتا ہے، یہ بارہے کہ اہل السنۃ والجماعت کے یہ مفسر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب ابو جعفر الطبریؒ (متوفی ۲۳۱ھ) ہیں جن کے اساتذہ میں محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب، اسحاق بن ابی اسریل، احمد بن منیع البغوی، محمد بن حمید الرازی، البہام الولید بن شجاع، ابو کرب محمد بن العلاء، یعقوب بن ابراہیم الدورقی، البوسید الاثج، عمر بن علی، محمد بن بشر اور محمد بن المثنیٰ وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور ان کے تلامذہ میں سے احمد بن

کامل القاضی، محمد بن عبد اللہ الشافعی اور محمد بن جعفر وغیرہ مشہور ہیں (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۶۲)  
علامہ ذہبی ان کے شاگردوں میں ابو القاسم الطبرانی، عبد الغفار الخضینی  
اور ابو عمر بن حمدان وغیرہ کا تذکرہ بھی کرتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۵۱)  
امام ابن جریر متعدد کتبوں کے مصنف ہیں جن میں تفسیر معروف تاریخ الامم و  
الملوک، کتاب الحدود والنزہل، کتاب اختلاف العلماء اور کتاب تہذیب  
الآثار وغیرہ مشہور ہیں (ملاحظہ ہو تذکرہ، ج ۲ ص ۲۵۳) اور اسی نام، ولایت اور  
کینت کے، ایک شیعہ مفسر بھی ہیں۔ ان کا نسب نامہ یوں ہے:-

”محمد بن جریر بن رستم ابو جعفر الطبری وہ رافضی تھے۔ انہوں نے بھی  
بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جن میں ”کتاب الدواۃ عن اهل البيت“ بھی ہے۔  
جن کے اساتذہ میں ابو عثمان المازنی اور شاگردوں میں ابو محمد الحسن بن حمزہ الرضی  
اور ابو الفرج الاصبہانی وغیرہ قابل ذکر ہیں“ (دیکھئے لسان المیزان ج ۵ ص ۱۳)  
الغرض ایک کے دلوائید اور دوسرے کے رستم۔ ایک کے استاد اور، اور دوسرے  
کے اور۔ ایک کے شاگرد و دوسرے کے مجدد۔ ایک کی تالیفات الگ اور دوسرے  
کی الگ، ایک سنی اور دوسرا رافضی، ایک معتبر اور دوسرا غیر معتبر، پھر یہ دونوں  
محض نام ولایت، کینت اور زمانہ وطن کے اتفاق سے کیسے ایک ہو گئے؟  
علماء اہل السنۃ تو محمد بن جریر وہی تسلیم کرتے ہیں اور لطف کی بات یہ  
ہے کہ خود علماء شیعہ بھی ان کو وہی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ کی مشہور کتاب  
تمۃ المنتہی میں مذکور ہے کہ:-

”در ۲۶ شوال ۳۱۰ھ مؤرخ خیر و محدث بصیر محمد بن جریر بن کثیر طبری  
شافعی در بغداد وفات یافت و ایکے از ائمہ مجتہدین اہل السنۃ و صاحب تفسیر  
کبیر و تاریخ مشہر است الی ان قال وہو غیر محمد بن رستم الطبری

الامامی صاحب المسترشد والایضاح وغیرہما، (تمتۃ المنتہی ص ۱۶۲)  
اور اسی کے قریب شیعہ کے اسماء الرجال کی مستند کتاب تنقیح منتہی المقال  
جلد ۲ ص ۹۱ میں ہے اور قاضی نور اللہ صاحب شعبہ ستری لکھتے ہیں کہ:-

الشیخ المتکلم ابو جعفر محمد بن جریر رستم الطبری الآملی، علامہ علی در قسم مقبول  
از کتاب خود اور انکو در ساختہ و گفتہ کہ او یکے از بزرگان اصحاب ماست و کثیر  
العلم و حسن الکلام و ثقہ در حدیث بودہ و ابو جعفر محمد بن جریر طبری صاحب تاریخ مشہور  
است۔ چنانچہ علامہ علی نیز در قسم مرود دین از کتاب خلاصہ بآں تصریح نمودہ زیرا کہ  
صاحب تاریخ مشہور از علماء شافعیہ است! ۱۵ھ

(مجلس المومنین ص ۲۰۵ طبع ایران)

غور کیا آپ نے کہ خود شیعہ علماء ہی محمد بن جریر نامی دو شخصیتوں کے قائل ہیں اور  
تصریح کرتے ہیں کہ ایک سنی ہیں اور دوسرے شیعہ، ایک شافعی المسلک ہیں  
اور دوسرے امامی۔ ایک مقبولین کی فہرست میں ہیں اور دوسرے مرود دین کی  
میں۔ ایک محدث اور مؤرخ مشہور ہیں اور دوسرے متکلم وغیرہ مگر تعجب ہے  
کہ عجمی صاحب کے نزدیک آکر دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ بقول کسے؟

تا کس نکوید بعد از ان دن دیگرم تو دیگرے

لیکن چونکہ منکرین حدیث جب تک تفسیر ابن جریر کی بھاری چٹان کو راستہ  
سے نہ ہٹا دیں، قرآن کریم کی من مانی تفسیر نہیں کر سکتے، اس لیے انہوں نے  
اس کا بھی انکار کر دیا کہ ابن جریر سنی ہوں۔ چنانچہ تمنا صاحب نے ابو جعفر محمد بن جریر  
الطبری کا ایک مستقل عنوان قائم کر کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے مفسر کی سنی  
دی ہے اور پھر سنی اور رافضی ابن جریر کو محض اپنی کرامت سے گھڈا کر کے  
ماری کی طرح ایک ثابت کرنے کی بیجا کوشش کی ہے۔ اور راستہ میں

چلتے چلتے علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے لڑنے پھرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ وہ ان کو کیوں دو بتلا رہے ہیں اور ان کو ایک ہی کیوں نہیں کہتے۔ اور حافظ احمد بن علی کی ٹانگوں پر سوار ہو کر یہ ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ ان کو رافضی ہی ثابت کیا جائے اور حافظ ابن حجرؒ کے فیہ تشیع یہود کے الفاظ سے کچھ ایسے بد کے ہیں کہ انہم حشر مستغفرہ فترت من قسورة۔

طلوع اسلام نے جب تمنا صاحب کا یہ مضمون دیکھا تو قول مشہور کے موافق کہ اندھے کو کیا چاہیے، ادوا نکھیں پھولے نہ سملے اور یوں ضمیر کی کسر ڈالی کہ:-

”علامہ تمنا نے اپنے اس مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابن جریر طبری در حقیقت شیعوں تھے۔ اگر یہ شیعوں تھے تو آپ خود ہی کچھ لیجئے کہ اہل سنت والجماعت جس تفسیر اور جس تاریخ کو اتنا معتبر سمجھتے ہیں۔ اس کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے۔ اور اس بنیاد پر اٹھی ہوئی عمارتیں کس درجہ قابل اعتماد ہو سکتی ہیں؟

(ملاحظہ طالع اسلام ۱۱۵۵ھ می ۱۹۵۵ء)

یہ ہے تفسیر ابن جریرؒ کو نامعتبر اور غیر قابل اعتبار ٹھہرانے کی غرض و غایت، کاش کہ ہر فاضل اسی پر اکتفا کی جاتی کہ تفسیر ابن جریرؒ ہی غیر معتبر ہے مگر منکرین حدیث اپنے راستے کے ایک ایک کانٹے کو اٹھا کر پھینکنے کے دیرے ہیں تاکہ ان کے راستے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ ہی باقی نہ رہے، چنانچہ تفسیر کے بعد جب تراجم کی باری آتی ہے تو ان کے بائے میں طلوع اسلام کی طرف سے یوں لب کشائی کی جاتی ہے کہ:-

”تفسیروں کے بعد جب تراجموں کی باری آتی تو ان میں اسی مفہوم کو پیش نظر رکھا گیا جو تفسیر میں بیان ہوا تھا لہذا ہمارے ترجمے قرآنی الفاظ کے ترجمے نہیں بلکہ

قرآن کے اس مفہوم کے مظاہر ہیں جو ہماری تفسیروں میں بیان ہو رہے۔ چونکہ یہ تفسیریں مصر اور بخارا، شام اور ہندوستان، عرب و عجم، ہر جگہ کدس میں پڑھائی جاتی ہیں، اس لیے قرآن کا ترجمہ خواہ وہ فارسی میں ہو یا ترکی میں اردو میں ہو یا عربی میں، ہر جگہ کم و بیش ایک جیسا ہوتا ہے۔ اب جو غلطی ایک میں پائی جائے گی وہ دوسرے میں بھی پائی جائے گی۔ الخ (طلوع اسلام ص ۱۳، ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء)

الحاصل منکرین حدیث کی خود ساختہ منطق کی رو سے نہ حدیث کا وجود ہے نہ تفسیر کا اور نہ کسی زبان کا کوئی ترجمہ ہی صحیح ہے۔ ہاں اگر کوئی چیز صحیح ہے تو ان کا اپنا قرآنی زاویہ نگاہ۔ میری دعوت اور میری قرآنی بصیرت، باقی سب اس قابل ہیں کہ اٹھا کر پھینک دیا جائے۔

یہ ہے وہ مختصر سامع، جس کے لیے منکرین حدیث دور دراز کے لاطاعل مقدمات اور تمہیدات پیش کرتے ہیں۔

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

یہی وجہ ہے کہ قدیم و حدیثا جس نے بھی کسی وقت گلاب بعض حدیث کے بائے میں کچھ شکوک اور شبہات پیش کئے ہیں، طلوع اسلام اس خدمت کا واحد ٹھیکیدار ہے کہ ان کو علامہ عالم، متحر اور خدا معلوم کیا کیا خطابات دے کر ان کے مضامین شائع کر کے عام مسلمانوں کو یہ باور دلانے کے دیرے ہے کہ اس میدان میں ہم متفرق نہیں بلکہ ہم ملے ساتھ یہ اور یہ حضرات بھی اس نظریہ میں متفق ہیں۔ اور جی ہنر نے اصولی حدیث کے عین مطابق اگر کسی روایت پر اپنی دانست کے مطابق کوئی علمی اور فنی تنقید کی یا اس میں کچھ کلام کیا ہے تو طلوع اسلام کے نزدیک وہ بھی ان کی پارٹی کے رکن ہیں۔ اگرچہ ان کی تمام زندگی ہی حدیث کی نشر و اشاعت اور اس سے فتنی مسائل استنباط کر کے امت مرعومہ کے لیے

سہولت پیدا کرنے کے لیے ہی کیوں نہ گزر چکی ہو۔ جیسے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ۔ اور اس طرح وہ ایک ایک تنکا پہن چن کر ان تنکوں کا پل بنا رہا ہے اور اس پر انکار حدیث کی گاڑی کو گزانا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس مسلم علماء اور مفتیان کرام کی بعض ذاتی اور عملی کوتاہیوں کو نمایاں طور پر چھاپ چھلپ کر وہ لوگوں کو ان سے محض اس لیے بظن کرتا ہے کہ لوگوں میں یہی لوگ باوجود انسانی کمزوریوں کے دین کے محافظ سمجھے جاتے ہیں اور جب عوام میں ان کی ساکھ نہ رہے گی تو ان کے پیش کردہ دین اور حدیث کی کیا وقعت باقی رہ سکتی ہے؟ اور جب ان کو چمن دین کی باغبانی سے الگ کر دیا گیا تو پھر ان پر کیا اعتماد اور بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ بقول ائمہ

حریم گل کا بہاروں میں اب خدا حافظ  
جو لازماً در چمن تھا وہ باغبان نہ رہا

## طلوع اسلام

اس وقت جو جائزہ اور رسالے بلا استثناء تمام احادیث کو ظنی اور قیاسی قرار دینے اور ان کا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لیے ہیں، ان میں طلوع اسلام پیش پیش ہے۔ اس نے حدیث کو رد کرنے کے لیے وہ تمام ہتھیار اور اوزار اختیار کر رکھے ہیں جو کسی وقت عیسائی، رافضی، معتزلہ خارجی اور ایسے ہی دیگر باطل اور گمراہ فرقے اختیار کر چکے ہیں۔ مواد تو تمام ان کا جمع کر دیا ہے ہاں البتہ تعبیر ان کی اپنی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انہی  
انہیں کی محفل سنوارنا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

### ۱۔ طلوع اسلام کا اسلام

اس میں کوئی شک نہیں کہ دینِ قریم کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب علماء سوء کی نفسانیت پر ان بدکردار کی خواہشات اور سلاطین ناہنجار کی بے راہ روی بھی ہے اور ہر دور اور ہر زمانہ میں ان سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہا ہے مگر بایں ہمہ علماء کرام میں خدا خوف، نیک سرشت، بااخلاق، حسن کردار اور صحیح معنیٰ میں اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ اور سچے خادم بھی رہے ہیں اور بحمد اللہ اب بھی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کی عملی زندگی خواہ کتنی ہی پست کیوں نہ ہو اور اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے بالکل بجا ہے مگر توحید و رسالت، برزخ و معاد، عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات، اوامر و نواہی، نماز اور روزہ، حج اور زکوٰۃ، قربانی اور صدقہ فطر، نکاح و طلاق، بیع اور اجارہ، حلال اور حرام وغیرہ وغیرہ احکام و مسائل اور اسی طرح اصول اور فروع اسلام کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں صحیح کہتے ہیں۔ ایک فرقہ نہ سہی تو دوسرا، ایک طائفہ اگر یہ حق نہیں ادا کرتا تو دوسرا ایک گمراہ سے اغماض کیجئے تو دوسرا، ایک ملک کو نظر انداز کر لیجئے تو دوسرا الغرض قدر مشترک کے طور پر اسلام انہیں میں دائر ہے۔ اور وہ جو کہتے ہیں، درست اور بجا کہتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کرتے کچھ اور کہتے کچھ ہیں مگر زبان زدِ خلافت ہے کہ مولوی جو کہے وہ کرو، اور جو کرے وہ نہ کرو۔ یعنی اس کا عمل اگرچہ غلط ہو مگر اس کا قول اور پیش کردہ اسلام تو بہر حال اور بہر کیفیت ٹھیک ہے اور مشہور ہے کہ

زبان خلق کو نثارہ خدا مجھو

مگر طلوع اسلام کا فیصلہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ بلا امتیاز ملک و وطن، بلا تفریق فرقہ و مذہب، بدوں لحاظ علماء حق اور علماء سوء علماء کرام کے پیش کردہ اسلام کو غیر اسلام کہتا ہے۔ چنانچہ طلوع اسلام بڑی بے باکی سے یہ لکھتا ہے کہ :-

”جو کچھ اس وقت اسلام کے نام سے رائج ہے، وہ اسلام نہیں ہے اور جو حقیقی اسلام ہے اسے وہ لوگ کبھی اسلام کہہ کر پکارنے نہیں دینگے جو مروجہ اسلام کے علمبردار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم شروع سے کہتے چلے آئے ہیں کہ جب تک ملا اسلام کا ترجمان بچا جائے گا صحیح اسلام کا مفہوم کبھی متعین نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے کہ ملا ایک خاص نزع کو اسلام سمجھے بیٹھا ہے۔ وہ کسی صورت میں اسے چھوڑ کر کسی اور مفہوم کو اسلام تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا اس میں نہ کسی فرقے کی تخصیص ہے نہ کسی جماعت کی۔ نہ کسی ملک کی نہ کسی زبان کی۔ ملا جہاں بھی ہے وہ اس اسلام کا وارث اور محافظ ہے، جو اسلام نہیں ہے۔ لہذا اس سے یہ توقع رکھنا کہ جو صحیح اسلام کا مفہوم متعین کرنے کا حاقق ہے ملا کا اسلام اشخاص تک جا کر رک جاتا ہے خدا تک نہیں پہنچتا۔ اور حقیقی اسلام وہ تھا جسے خدا نے نازل کیا تھا۔ آپ جب تک ملا کے اسلام کے دائرے میں پھرتے رہیں گے۔ اسلام کا واضح مفہوم کبھی آپ کے سامنے نہیں آئے گا۔“

(طلوع اسلام، اپریل ۱۹۵۵ء صفحہ ۱)

اس واضح عبارت کو بار بار پڑھئے اور دیکھئے کہ طلوع اسلام کیا کہہ گیا ہے؟ اگر ملا کی کسی جماعت یا کسی فرقے، کسی ملک یا کسی زبان کی تخصیص کی گئی ہوتی یا

عبارت میں اجمال و ابہام ہی سے کام لیا ہوتا تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ طلوع اسلام کسی خاص جماعت، کسی مخصوص فرقہ، کسی متعین ملک اور کسی محدود زبان کے علماء اور ملاؤں کے پیش کردہ اسلام سے نالاں ہے۔ لیکن طلوع اسلام بلا استثناء یہ کہتا ہے اور بڑا یہ لکھتا ہے کہ تمام علماء جس چیز کو اسلام کہتے ہیں وہ اسلام نہیں ہے اور جو حقیقی اسلام ہے جس کی کچھ جھلکیاں اس کتا بچہ میں قارئین کرام نیاز صاحب کے نظریات سے لے کر طلوع اسلام کے نظریات تک ملاحظہ کر چکے ہیں، ملا اس کو اسلام کہے بھی کیسے؟ اگر یہ نظریات اسلام ہیں تو دنیا میں کفر، الحاد اور زندقہ پھر کس بلا کا نام ہے؟ اسی لیے تو طلوع اسلام ملا اور اس کے پیش کردہ اسلام کا سرسر منکر ہے کہ وہ اس کے پیش کردہ اسلام سے متصادم ہے۔ اور وہ کفر و الحاد کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس سے یہ حقیقت بھی بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ طلوع اسلام جس اسلام کو عوام کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے وہ اس اسلام کے بالکل خلاف اور اس کے بالکل برعکس ہے جو آج تک مسلمانوں میں مروج چلا آتا ہے اور جس کے علماء محافظ اور وارث چلے آئے ہیں اور یہی مروج اسلام طلوع اسلام کے نزدیک اسلام نہیں ہے۔ بتائیے کہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور ملا طلوع اسلام کے اس خود ساختہ اسلام کا کیسے قائل ہو سکتا ہے جس کی کڑی نہ تو کہیں فقہا کرام شکست پہنچتی ہے اور نہ محدثین عظام تک۔ اور اس کا سرانہ تو کہیں تابعین نیک فرجام تک پہنچتا ہے اور نہ صحابہ ذوالاحترام تک۔ اور نہ دین کی یہ کڑی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تک پہنچتی ہے جو رب العالمین کی وحی کے مطابق ایک جامع دین۔ ایک مکمل شریعت ایک واضح اور روشن مذہب ایک درخشندہ اسلام امت مرحومہ کو دے کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ رہا طلوع اسلام کا اسلام، تو وہ خدا تک کیسے پہنچتا

ہے؟ اور خدا تعالیٰ کی رضا اس میں کتنی شامل رہتی ہے؟ اور خدا تعالیٰ کے بیان کردہ احکام اور عقائد کو طلوع اسلام اور ان کے ہم خیال منکرین حدیث کس حد تک تسلیم کرتے ہیں؟ اس کا محفوظ اسانخا کہ اوراق گذشتہ میں گزر چکا ہے کہ وہ کیا ہے؟ سمجھدار آدمی اس سے اندازہ لگا سکتا ہے۔ نیز طلوع اسلام کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کامرکز ملت اشخاص کا نام نہیں بلکہ خداؤں کی ایک پنچایت ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ ان کامرکز ملت جزئیات کا تعین کرنے کا تو مجاز ہے اگر وہ اشخاص ہی کا مجموعہ ہو تو ملا کی مہنوائی ہو جائے گی کہ ملا کا اسلام اشخاص تک جا کر رک جاتا ہے۔ خدا تک نہیں پہنچتا۔ لہذا لازمی امر ہے کہ مرکز ملت اشخاص نہیں ہو سکتے بلکہ خدا ہی ہوں گے (معاذ اللہ)

طلوع اسلام کے اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ منکرین حدیث آئے دن علماء کے خلاف مختلف قسم کے عنوانات قائم کر کے ان کو کیوں کوستے ہیں؟ کہیں یہ عنوان ہے کہ ملا کا مذہب کیا ہے؟ کہیں یہ کہ ملا کا عجیب و غریب مذہب؟ کسی جگہ ملا کا بہشت، ٹر فکری ہے اور کسی جگہ اس مصرعہ سے سدا تلاش کیا جاتا ہے کہ ۴

اے مسلمان پوچھ اپنے دل سے ملا سے نہ پوچھ

غرضیکہ آپ طلوع اسلام کے مضامین پڑھیے، ان کے ہتھیال شعراء کی نظلیں دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ کیسی کیسی نادر اور نرالی پھبتیاں علماء پر چسپاں کی گئی ہیں اور غریب علماء کا تو ذکر ہی کیا ہے، سرے سے مذہب اسلام کی بساط کفن ہی الٹ کر رکھ دی ہے۔ واللہ ناصر دینہ ۴

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

سمجھے نا حضرات! ان کو ملا سے اختلاف کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ محض

اس لیے کہ جس مذہب کو ملا پیش کر رہا ہے اور اس پر عمل پیرا ہے وہ طلوع اسلام کے نزدیک اسلام نہیں۔ اور جو حقیقی اسلام ہے، ملا اس کو رائج نہیں بنوے دیتا اور اس کو وہ اسلام کہہ کر پکانے ہی نہیں دیتا۔ ظاہر ہے کہ جب دو نظریے آپس میں متضاد ہوں گے اور ہر ایک کو اس پر اصرار ہو گا کہ دنیا میں میرا ہی نظریہ باقی اور برقرار ہے تو لابدی امر ہے کہ آپس میں چپقلش ہوگی اور ہر ایک اسی فکریں ہو گا کہ میرے راستے کا روڑا ہٹ جائے تاکہ میں اپنا نظریہ بلا مقابل پیش کر سکوں۔ بس یہی اُلجھن ہے طلوع اسلام اور اس کی جماعت کے سامنے مگر ملا بھی بڑا ہی سخت جان ہے۔ وہ چودہ صدیوں سے برابر مار کھا ناچلا آرہا ہے مگر اس امانت کو ملا نے باوجود انتہائی پریشانیوں کے کبھی پس پشت نہیں ڈالا۔ اور نہ اس سے بے اعتنائی برتی ہے جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الودع کے موقع پر منی کے مقام پر ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام کی وساطت سے امت مہجورہ کے حوالے کی تھی کہ:-

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک تم ان پر کار بند رہو گے، تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب اور دوسری میری سنت ہے؛ (مسند دارمی)

اور ملا ہر نازک موقع پر بڑی ہمت، پامردی، جرات اور بہادری سکھوفان حوادث کو یہ کہتا رہا ہے کہ ۴

ہم کو طوفان حوادث کیا ڈرائیگا حمید  
جب سے ہم پیدا ہوئے یہ آنکھیاں کھلیں

۲۔ علم کے ذرائع

تمام اہل اسلام اس امر پر ملتینہ اتفاق رکھتے ہیں کہ مسلمان کے لیے علم کے



ذرائع میں سب سے پہلے قرآن کریم اور پھر حدیث شریف ہے اور اجماع امت کے بعد اظہار اسلام اور ان کے افہام و تفہیم کا ایک ذریعہ قیاس اور اجتہاد، بالفاظ دیگر عقل و بصیرت بھی ہے۔ مگر طلوع اسلام کے نزدیک نہ تو حدیث شریف کا علم ذریعہ ہے اور نہ امت مسلمہ کا اتحاد و اتفاق بلکہ اس کے نزدیک صرف دلائل فیہ ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

”ختم نبوت کے بعد ہمارے پاس علم کے صرف دو ذرائع رہ جاتے ہیں۔ ایک وہ وحی جو قرآن کے اندر ہے اور دوسرا انسان کی عقل و بصیرت“ (طلوع اسلام ص ۸۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

ظاہر ہے کہ یہاں مطلق عقل و بصیرت کا ذکر نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس عقل و بصیرت کا ذکر ہے جو دین میں کام آسکے۔ اور یہ دینی عقل و بصیرت بھی صرف وہی معتبر اور قابل ہوگی جو طلوع اسلام کے نزدیک معیاری ہو۔ اور وہ نیاز صاحب، سلم صاحب، تمنا عیادی صاحب، پرویز صاحب، بوق صاحب، ڈاکٹر احمد دین صاحب اور اسی قسم کے دوسرے حضرات کی عقل و بصیرت ہوگی جن کے کچھ نمونے اپنے اوراق گذشتہ میں ملاحظہ کر لیے ہیں۔ جب ان میں اہل علم و صاحب علم حضرات کی دینی عقل و بصیرت کا یہ عالم ہو تو وہاں دوسروں کا کیلچہ چھنا؟ ع

جس کی بہاریہ ہو سو اس کی خزانہ پوچھ

۳۔ قطع ید

قرآن کریم میں چور مرد اور چور عورت کی منہ قطع ید (یعنی ہاتھ کاٹنا) بیان کی گئی ہے مگر طلوع اسلام قطع ید کی منہ کے بارہ میں اپنی طرف سے ایک اور پیوند لگا کر اب قطع ید جیسی قرآنی منہ کو دبی ہوئی زبان سے بدلنے کی فکر میں مبتلا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا یعنی چور مرد اور چور عورت کی منہ یہ ہے کہ ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ قطع ید کے معنی ہیں ایسے حالات پیدا کر دینا جس سے ان کے ہاتھ چوری سے رگ جائیں۔ اھ (طلوع اسلام ص ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

خط کشیدہ الفاظ بار بار پڑھتے اور طلوع اسلام سے پوچھتے کہ بعض کون ہیں جنہوں نے قطع ید کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دو، جس سے ان کے ہاتھ چوری سے رگ جائیں؟ اور پھر یہ معنی قرآن کریم کے خلاف لیے کیوں ہیں؟ قرآن کریم کا یہ قشام ہے کہ جس کا چور ہونا ثابت ہو جائے اور جو السارق اور السارقة کہلاتے تو اس کو منہ نہ دی جائے یا اس کا ہاتھ نہ کاٹ جائے؟ یہ مان لیا کہ آئندہ کے لیے ایسے حالات پیدا کر دو کہ اس کے ہاتھ چوری سے رگ جائیں۔ مگر ثابت شدہ چوری کی منہ تو صرف یہ حالات پیدا کرنے ہی نہیں بلکہ اس کی منہ حقیقتاً قطع ید ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ اس جگہ چور سے مراد وہ شخص ہے جو چوری کے ذریعے ہو مگر ابھی تک اس نے چوری کی نہیں تو یہ بتلایا جائے کہ قرآن کریم نے اس کو السارق اور السارقة کیوں کہا ہے؟ اور ایسے شخص کی منہ قطع ید کیوں مقرر کی ہے، جس نے ابھی تک چوری ہی نہیں کی بلکہ اسلام اس مفہوم کو پیش نظر رکھے جس کو قرآن کریم میں السارق اور السارقة سے بیان کیا ہے اور پھر اس کی منہ قطع ید ذکر کی ہے۔ ادھر ادھر کی باتوں کے کچھ نہ ہوگا۔

مسلمان اس امر پر تباہ و تہوڑ متفق ہے جس میں کہ زانی شخص کی منہ جو صحیح حدیث سے ثابت ہے، صرف رجم اور سنگسار ہی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ منہ زنت کرتے ہوئے طلوع اسلام یوں رقمطراز ہے کہ :-

”باقی رہا یہ کہ زنا کی منہ سنگساری (رجم) میں کیا ہر ج ہے۔ سو حرج یہ

ہے کہ جب خدا نے حکم دے دیا کہ اس کی سزا سنو کوٹے سے ہو کس کی مجال ہے کہ اس کے حکم کو کسی دوسرے حکم سے بدل دے؟

(طلوع اسلام ص ۵۶ ذمہ ص ۱۹۳)

طلوع اسلام سے اُس کے اس بیان کے پیش نظر دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب خدا نے یہ حکم دے دیا ہے کہ چور مرد اور چور عورت کی سزا قطعید ہے تو اس کے اس حکم کو کسی دوسرے حکم سے کیسے بدلایا جاسکتا ہے کہ اس کے لیے ایسے حالات پیدا کرنا ہے کہ جس سے اُس کے ہاتھ چوری سے رُک جائیں؟

طلوع اسلام کی گردن پر یہ سوال بھی قائم ہے گا کہ کیونکہ وہ حدیث کو تو حجت تسلیم نہیں کرتا، قرآن کریم میں تو صرف اتنا ہی ذکر ہے کہ چور مرد اور زن کا ہاتھ کاٹ دو۔ مگر یہ نہیں بتاتا کہ کتنا مال وہ چرائیں تو ان کا ہاتھ کاٹا جاسکتا ہے؟ اور یہ بھی بیان نہیں ہوا کہ پہلی مرتبہ چوری کرے تو ہاتھ کاٹو یا یہ انتہائی سزا ہے؟ پھر کاٹو تو کون سا ہاتھ کاٹو؟ دایاں یا بائیں؟ اور کاٹو تو کہاں سے؟ کلائی سے؟ کہنی سے؟ بازو سے یا بغل سے؟ یا یہ جملہ تفصیلات کسی قاضی اور جج کی صوابدید پر ہوں گی؟ اور اگر اس کی صواب دید پر ہیں تو کہیں وہ ظنی تو نہ ہوں گی؟ اور اگر وہ ظنی ہوں گی تو وہ دین کیسے قرار پاسکتی ہیں؟ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور خلافت

نہ مولیٰ عبد اللہ صاحب چچا آدمی دیکھتے ہیں کہ کیونکہ قرآن مجید سے من کل الوجوه ثابت ہے کہ مفسن مرمو یا مفسنہ عورت اگر زمانہ کے ترکیب ہوں تو ان کی سزا قتل ہے جس کو ہم بھی کہتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن مجید میں اس وقت بھی بالکل صاف صاف مذکور اور یکسوہ موجود ہے (بلفظہ رد المسخ حصہ دوم ص ۱۷) اور لَوْ تَمَاجَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ

کی تفسیر میں اس پر کافی بحث کی ہے (تفسیر پ ص ۳۹)

راشدہ کا تعامل ظنی ہونے کی بنا پر دین نہیں ہو سکتا تو آج کسی جج کا ذاتی خیال اور صوابدید کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ بہت ممکن ہے کہ اس میں بھی ہر زمانہ کے تقاضا کا دخل ہو۔ کسی زمانہ میں سورہے کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے اور کسی دوسرے زمانہ میں ہزار روپے کی چوری میں بھی اس کی نوبت نہ آئے۔ کسی کا اُس کے زمانہ کے تقاضا کے مطابق کلائی سے ہاتھ کاٹا جائے اور کسی کا کہنی اور بازو وغیرہ سے۔ اور اگر کوئی بے چارہ ملا چوری کا ارتکاب کرے تو اس کا پہلی ہی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ بقول کے ”پہلی چوری پہلی پھانسی“ کیونکہ اُس نے خدا کی کتاب کو رٹ رٹ کر اُس کا اثر اپنے اندر پیدا نہیں کیا۔ اور اگر کوئی بابو یا آپ ٹوڈیٹ قسم کا آدمی چوری کرے تو اس کو پہلی مرتبہ چھوڑ دو۔ اور اس کے لیے ”بعض“ کی بصیرت قرآنی کے ماتحت ایسے حالات پیدا کر دو کہ اُس کے ہاتھ چوری سے رُک جائیں۔ اور آئندہ وہ چوری نہ کر سکے۔ آخر خود طلوع اسلام کا بیان ہے کہ:-

”قرآن کریم میں عام طور پر دین کے اصول دیے گئے ہیں ان کی جزئیات متعین نہیں کی گئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے اصول توقیامت تک کے لیے غیر متبدل بنے والے ہیں دیہ الگ امر ہے کہ اس سے چوری وغیرہ مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ اس کی سزا بعض کے نزدیک قطعید نہیں، بلکہ ایسے حالات پیدا کرنا ہے کہ اس کے ہاتھ چوری سے رُک جائیں۔ کیونکہ اس دورِ تہذیب و تمدن کا تقاضا ہی یہی ہے صفاً لیکن ان اصولوں کی روشنی میں جو جزئیات متعین ہوں گی ان میں مختلف زمانوں کی ضرورتوں کے مطابق ردو مل ہوئے گئے۔ (بلفظہ طلوع اسلام ص ۸ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

لہذا چوری کی جزئیات اس قاعدہ سے کیونکہ خارج ہو سکتی ہیں؟ اور ان میں

تغییر و تبدل سے آخر کیا چیز مانع ہے؟ ائمہ دین کا نصاب سر قہ سے متعلق جنوی اختلاف اور بعض بعض شرعی عوارض سے چور کا ہاتھ نہ کاٹنا محل نزاع نہیں ہے وہ مفروق عنہ بحث ہے۔

### ۴۔ قربانی

حاجی اور حرم کی مخصوص قربانی کے علاوہ عام قربانی کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ جس میں نہ تو احرام کی کوئی قید ہے اور نہ حرم کی فصل لربک والحد پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے اور جو حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے وہی آپ کی امت کو ہے۔ الا یہ کہ تخصیص کا کوئی صحیح اور صریح قرینہ موجود ہو اور یہاں کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ اس مطلق قربانی کو اپنی خواہشات کی زنجیروں میں جکڑنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور بھلا اس کو تسلیم بھی کون کرے گا؟

قربانی کے ثبوت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قولہ اور فعلہ متواتر درجہ کی صحیح حدیثیں موجود ہیں اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس سال مدینہ طیبہ میں رہے اور ہر سال آپ قربانی کھتے رہے۔ دمشق کوۃ جلد ۱ ص ۱۲۹ وغیرہ اور تمام امت کا اس پر اتفاق رہا ہے اور اس گئے گزے زمانہ میں بھی لوگ اس سنت کو کھڑوں کی تعداد میں ادا کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ بحث ہم اس مقام پر نہیں کرتے کیونکہ ہم نے اس پر ایک مختصر سا رسالہ بنام مکہ قربانی لکھا ہے جو طبع ہو چکا ہے۔ قربانی کی ضروری بحث اس میں ملاحظہ کریں۔ لیکن طلوع اسلام کا یہ بے بنیاد افتراء بھی ملاحظہ کریں جو قربانی کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ:-

”پھر تاریخ ہمیں بتاتی ہے (بظاہر یہ کوئی ذہنی اور پر توہی تاریخ

ہوگی، اسلامی تاریخ تو اس کے سرسرخ خلاف ہے، صقہ کہ خود رسول اللہ نے بھی مدینہ طیبہ میں قربانی نہیں دی۔ حج سترہ میں فرض ہوا۔ حضور اُس سال خود تشریف نہیں لے گئے لیکن اپنی طرف سے کچھ جانور امیر کارواں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ کر دیے کہ وہاں صرف میں لائے جائیں۔ اگلے سال حضور خود حج کے لیے تشریف لے گئے اور وہیں جانور ذبح کئے۔ لہذا ہر جگہ قربانی دینا نہ حکم خداوندی ہے اور نہ سنت ابراہیمی اور نہ ہی سنت محمدی۔

(طلوع اسلام ص ۳ ستمبر ۱۹۴۹ء)

ملاحظہ کیا آپ نے کو طلوع اسلام نے کس دیدہ دلیری اور کس بے باکی سے یہ خالص ہستان اور سفید جھوٹ تراشا ہے کہ ہر جگہ قربانی دینا نہ حکم خداوندی ہے نہ سنت ابراہیمی اور نہ ہی سنت محمدی۔ اور غور کیا آپ نے کس ڈھٹائی کے ساتھ اس نے یہ بے بنیاد دعویٰ کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی مدینہ طیبہ میں قربانی نہیں دی۔ لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ سچ کہا گیا ہے کہ ع

چہ دلاور است وزوے کہ بکھن چرخ دارد

آپ نے غور کیا کہ مخبرین حدیث کس طرح اسلام کے ایک ایک حکم کا رد کرتے ہیں اور کس بے باکی سے نصوص قطعیہ اور متواتر تعال کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس پر لا کو کہتے ہیں کہ وہ اسلام کا دشمن ہے اور صحیح اسلام کو پیش نہیں ہونے دیتا اور مبصرین قرآن (جناب پر تیز صاحب، نیاز صاحب اور اسی طرح کے دوسرے حضرات) کے راستہ میں روڑے اٹھاتا ہے۔ ملاحظہ کیا آپ نے کو طلوع اسلام وغیرہ کے اس پیش کردہ اسلام کو ملا کیوں کر اسلام سمجھے؟ اور کیوں اسلام کہے؟ بریکول اس سے بے ہے؟

بلند فطرت ہیں جو ازل سے نہیں کسی سے وہ پست ہوتے  
کبھی گرے بھی جو وہ زمین پر تو مثل اور چ فلک ہے ہیں

۵۔ وحی

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی  
نازل کی ہے، قرآن کریم، صحیح اور متواتر احادیث اور اُمت مرحومہ کا اس پر اتفاق  
رہا ہے۔ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور بیشد  
درجات اور مزیایا عطا فرماتے وہاں اس کا ذکر بھی ہے کہ:-

”فَأَوْحَىٰ إِلَيَّ عَبْدِي مَا أَوْحَىٰ“ پس اُس (اللہ تعالیٰ) نے وحی

بھیجی اپنے بندہ کی طرف جو بھی وحی بھیجی!

حرف ”ما“ کے معنوں میں جو کچھ ابہام کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس وحی  
کا اور اک مینے دئے اور لینے والے کے علاوہ اور کون کر سکتا ہے؟ اور اس کے علاوہ  
بھی بتوسط فرشتہ وقتاً فوقتاً قرآن کریم کے علاوہ جو وحی آپ پر نازل ہوتی رہی  
اس کا انکار کرنا آفتاب نیم روز کا انکار کرنا ہے۔ اور کسی مسلمان کو اس میں ادنیٰ  
تاقل بھی نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی ہوا ہے مگر طلوع اسلام لکھتا ہے کہ:-

”قرآن نے بار بار اس کی تصریح کی ہے کہ رسول اللہ پر جو وحی نازل  
ہوئی۔ وہ سب قرآن میں ہے۔ قرآن کے باہر کہیں نہیں الخ۔

(مقام حدیث جلد اول ص ۹۹)

طلوع اسلام اور ان کے اتباع و آفتاب سے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کے  
فاسد اور باطل موعوم کے مطابق تو قرآن نے بار بار اس کی تصریح کی ہے مگر آپ  
سے صرف ایک ہی تصریح مانگتے ہیں۔ وہ نہ تو کشیدہ ہو اور نہ ادھر ادھر  
کی باتیں ہوں قرآن میں اس کی تصریح ہو کہ رسول اللہ پر جو وحی نازل ہوئی وہ

سب قرآن میں ہے۔ قرآن کے باہر کہیں نہیں؟ دونوں حکم قرآن کریم میں ہیں  
اثبات کا بھی کہ رسول اللہ پر جو وحی نازل ہوئی وہ سب قرآن میں ہے  
اور نفی کا بھی کہ قرآن کے باہر کہیں نہیں! اور ہو تصریح۔

کیا طلوع اسلام انصاف کو پیش نظر رکھ کر اس کا کوئی معقول جواب دے  
سکتا ہے؟ دیدہ باید۔

۶۔ تقدیر

قرآن کریم کی نصوص قطعہ (مثلاً خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رُءَا قَدِيدًا) (پہ  
الفرقان، ع) ہر چیز اس کی بنائی۔ سورہ حیز کو اس نے تقدیر کے مطابق بنایا۔

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا۔ (پہ، التوبۃ، ع) فرما دیجئے  
کہ ہم کو ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے۔ مَا أَصَابَ  
مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرُهَا  
(پہ، الحدید، ع ۳) کوئی آفت نہیں پڑتی زمین میں اور نہ تمہاری جانوں  
میں۔ جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اُس کو دنیا  
میں! وغیرہ آیات اور متواتر درجہ کی احادیث اور اُمت مسلمہ کے اجماع سے برہنہ ثابت  
ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے اور بغیر اس پر ایمان لائے اگر کوئی احد پہاڑ  
کی مانند بھی سونا خدا تعالیٰ کی راہ میں صرف کرے تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور تمام  
مسلمان ایمان منسل میں آج تک اس کا اقرار کرتے چلے آتے ہیں، کہ وَالْقَدِيرِ  
خَيْرٌ، وَشَرٌّ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى اور علماء عظامہ نے کُتُب عَقائد میں عقلی اور نقلی  
طور پر اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس مشکل مسئلہ کو اقرب الی الذہن  
کرنے کی سعی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ مسئلہ اصعب المسائل اور کافی پیچیدہ مسئلہ  
ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس کے مشکل ہونے کی وجہ سے اس کا سر

سے انکار ہی کر دیا جاتے یا اس کو مجوسیوں اور عجمیوں کا عقیدہ بتایا جائے۔ لیکن طلوع اسلام اس کے برعکس نفل کرتا اور لکھتا ہے کہ :-

”قرآن نے ایمان کے پانچ اجزاء مقرر کئے ہیں: ۱۔ توبہ صاحب نے ان میں بھی تخفیف کر کے صرف دو بتائے ہیں۔ ایمان باللہ والیوم آخرکم امت۔ ۲۔ صفتوں ۱۔ اللہ پر ایمان ۲۔ ملائکہ پر ایمان ۳۔ رسولوں پر ایمان ۴۔ کتابوں پر ایمان ۵۔ آخرت پر ایمان۔ ان پر ایمان لانے سے ایک شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور ان سے انکار کرنے پر وہ اس دائرہ سے باہر نکل جاتا ہے۔ اس کے برعکس عجمیوں (مجوسیوں) میں ایمان کا مدار خیر و شر (تقدیر) کا مسئلہ تھا۔ جب اہل ایران مسلمان ہوئے ہیں تو انہوں نے اپنے اس قدیمی عقیدے کو عربوں میں پھیلا دیا۔ اھ (طلوع اسلام ص ۱۳۰ ماہ جنوری ۱۹۵۱ء)

اور پھر گرے لکھا ہے کہ :-

”یعنی پانچ اجزاء ایمان خدا کی طرف سے اور چھٹا جزو ایرانیوں کی

طرف سے :- (الحق ایضاً ص ۱۲)

طلوع اسلام کے اس باطل منہ عزم کے پیش نظر مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں میں تقدیر کا جو مسئلہ رائج ہے وہ اسلام کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ عجمیوں، ایرانیوں اور مجوسیوں کا ہے۔ جن کے نزدیک خدا بھی دو تھے۔ یزدان و ابہرمن۔ اور جو اپنی ماں اور بہن، بیٹی اور دادی وغیرہ طحرات سے نکل بھی جائز سمجھتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اہل عرب اپنی سادگی کی وجہ سے ایرانیوں اور مجوسیوں کی اس کارروائی کو نہ سمجھ سکے کہ یہ عقیدہ کہاں سے آیا ہے؟ اور کس طرح

آیا ہے؟ ہاں قدر یہ وغیرہ کی طرح اب منکرینِ حدیث پر اور خصوصیت سے طلوع اسلام پر یہ جدید انکشاف ہوا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ ان کی طرف پیاری قلتِ روسیہ کے راکٹوں سے جنگل کے اشارات ہی ہوتے ہوں کہ تقدیر کا عقیدہ غیر اسلامی اور غیر قرآنی بلکہ مجوسیانہ عقیدہ ہے (العیاذ باللہ)

قلدینِ کرام! آپ نے اچھی طرح محسوس کر لیا ہو گا کہ منکرینِ حدیث انکارِ حدیث اور دعوتِ الی القرآن کو صرف ایک ذریعہ اور بہانہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد اسلام کے بیشتر عقائد اور اکثر اعمال و اخلاق کا انکار کر کے ان کی جگہ محض اپنی خواہش فحشانی کی ترویج ہے۔ اور بس! ہاں باطل سے باطل نظریہ کو بھی اگر اچھے انداز اور سلیحے ہوئے طریقہ پر پیش نہ کیا جائے تو اس کو ماننا کون ہے؟ اس لیے ان کا ادبی زور ہی اس پر صرف ہو رہا ہے کہ حدیث دین نہیں ہے۔ تفاسیر کا اکثر حصہ بیکار بلکہ مردہ ہے۔ مگر اسلام کا دشمن ہے۔ ہم قرآن کے داعی اور مبصر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بحمد اللہ ملا بھی بڑا ہی سخت جان ہے وہ دلائلِ ہاتھ میں قرآن کریم اور باتیں ہاتھ میں سنتِ رسول کی شمع لے کر تاریک دنیا میں یہ کہتا ہوا اپنا قدم منزل کی طرف بڑھاتا ہوا چلا جا رہا ہے اور اسلامی شاہراہ پر گنٹے بونے والے سے یوں خطاب کرتا ہے کہ :-

ہماری منزل کا ہے وہ دشمن، ہماری راہیں بگاڑتا ہے!  
کھلیں گے کچھ قدتی شوگنے جب اپنے کانٹے وہ بوجھ لگا

خطرہ

اس وقت دنیا کو کیونکر عظیم سیلاب کا جو اشد خطرہ ہے وہ کن بلوش انسان اور عیسوی مسلمان سے مخفی ہے؟ اس کے پھیلنے اور پھوٹنے کے اسباب میں برائے نام مالی مساوات کے علاوہ ایک بہت بڑا سبب دینِ الہی سے

متفرق بھی ہے اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جب دین مذہب خدا و رسول ،  
قرآن و حدیث اور اسلامی اقدار کی قدر و منزلت باقی نہ رہے تو پھر اس سیلاب  
کے چھا جانے میں کوئی رکاوٹ باقی رہ نہیں جاتی۔ پھر تو یہاں تک نظریات  
پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہی راکٹ بھی ان کو اللہ میاں کا کوئی اتہ پتا نہیں بتاتا  
(العیاذ باللہ) جب خدا تعالیٰ سے اس رنگ میں تمسخر ہو تو کچھ کیا رہ جاتا ہے؟  
اس لئے منکرین حدیث کے ان باطل نظریات کے کیش فکر شدید خطرہ  
ہے کہ پاکستان جیسی اسلامی مملکت کہیں کیونکر کم کی آماجگاہ نہ بن جائے۔ کیونکہ  
جب تک مسلمانوں میں مذہبی اور دینی مصیبت باقی نہ رہے گی اور وہ قرآن و  
حدیث اور اسلامی علوم و فنون پر اعتقاد نہ کریں گے تو وہ یقیناً دیگر فتنوں کا عوام اور  
کیونکر یہ جیسے ملعون فتنہ کا ٹھکانہ آسانی سے شکار ہو جائیں گے۔ اس لئے مسلمانوں  
پر لازم ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی باتوں پر ذرہ بھی توجہ مبذول نہ کریں۔ جو حدیث و  
تفسیر اور اسلامی علوم کو ناقابل اعتقاد قرار دیتے کا اودھار کھلتے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ  
کیونکر ہم اور اہل اسلام و زندگی وغیرہ کے طوفانوں کے سد باب کا واحد ذریعہ اسلام اور  
صرف اسلام ہی ہے جو قرآن و حدیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود  
ہے اور طوفان تو ہر سمت سے اُبھر رہے ہیں۔

ہواؤں کا رخ بتا رہا ہے ضرور طوفان آ رہا ہے !

نگاہ رکھنا سفینہ والو! اٹھیں ہیں موجیں کہ کھر سکیں

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ساتھ تمام مصائب سے ہمیں محفوظ رکھے۔

امین تم آمین! وصلى الله على خير خلقه محمد وآله وصحابة اجمعين۔



# مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن تقریر ترمذی طبع سوم	احسن الکلام مسئلہ توحف الامام کی دہائی بحث طبع ششم	تسکین الصدور مسئلہ حیات النبیؐ پر دہائی بحث طبع ہفتم	الکلام المفید مسئلہ تہجد پر دہائی بحث	ازالۃ الريب مسئلہ علم غیب پر دہائی بحث طبع ہفتم
راہ سنت دو دہائیات پر لا جواب کتاب	آنکھوں کی خشک مسئلہ حاضر و غائب پر دہائی بحث	احسان الباری بکارتی شریف کی انتہائی اعانت	طائفہ منصورہ نہایت پائے گئے، دہائی کی اعانت	ارشاد الشیعہ شیدائے گریات کا دہائی جواب
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	عبادات اکابر اکابر طہارہ و بندگی کی عبادات پر اعانت طہارہ کے جوابات	تبلیغ اسلام شرور و باطل دین پر مختصر بحث	گلدستہ توحید مسئلہ حید کی وضاحت	دل کا سرور مسئلہ غلامی کی دہائی بحث
راہ ہدایت کتابت و تفسیر کے (۱۰) دہائی کچھ حید کی وضاحت	بانی دارالعلوم دیوبند ۱۰۰۰ احادیث کا خلاصہ کتابت (دہائی) احادیث کا خلاصہ کتابت کے جوابات	ینابیع غیر ملکہ المہمان کا عام دہائی کے دہائی کتابت کا خلاصہ	چراغ کی روشنی سرخ، گچھ کے (۱۰) دہائی دہائی کی اعانت طہارہ کے جوابات	مسئلہ قربانی قربانی کی غفلت اور (۱۰) دہائی دہائی بحث
تیسرے سائیت کا پہلے منظر تیسرے سائیت کے (۱۰) دہائی	مقالہ شتم نبوت قرآن و حدیث کی روشنی میں	المسلک المنصور	اتمام الیوہان روشنی کے بیان	نوضیح المرام فی نزول کتاب علیہ اسلام
آئینہ محمدی سیرت پر مختصر رسالہ	شوق حدیث حجیت حدیث پر دہائی بحث	ملا علی قاری طہارہ و حاضر و غائب	تنقید متین پر تفسیر فہم الدین	باب جنت نہایت راہ جنت
مودودی خطاب کا غلط فہمی	تفریح الخواطر نہایت خوب و خواطر	چہل مسئلہ حضرات بریلو	عمدۃ الاثاث تین طلاقوں کا مسئلہ	الظہار العیب نہایت طہارہ
سماع موتی چالیس دعائیں	مقالات حقیقہ صرف ایک اسلام	مرزائی کا جنازہ اور مسلمان	عقلم الذکر بالبحر شوق جہاد	اخفاء الذکر ذکر آہستہ کرنا چاہیے

مطبوعات عمر اکادمی	خزائن السنن جلد دوم کتاب الطہارہ	جنت کے نظام طہارہ کی (۱۰) دہائی کتاب طہارہ کی (۱۰) دہائی کتاب	حمیدہ قبر پر (۱۰) دہائی کتاب دہائی کتاب	غیر مقلدین کے متضاد فتوے
الضیاح سنت مصابح سنت	بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں	فیصلہ دہائی کتابت کے جوابات حاضر و غائب مستون طریقہ	تین طلاقوں کے مسئلہ بدعت کا جواب مقالہ	مردہ قضائے عمری بدعت ہے